جلد ۷۵ — اگست ۱۹۷۱ء — عدد ۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ۔ لاہور

ترجمان القرآن، لاہور

فہرست مضامین

جلد ۷۵	اگست ۱۹۷۱ء مطابق جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ	عدد ۶

مغربی پاکستان		مشرقی پاکستان
چندہ سالانہ: آٹھ روپے	ماہنامہ ترجمان القرآن ، لاہور	ہوائی ڈاک سے
فی پرچہ : ۸۰ پیسے	۵-اے ذیلدار پارک ، اچھرہ ، لاہور	فی پرچہ ۹۰ پیسے سالانہ ۱۰ روپے
		عام ڈاک سے: ۸۰ ، ، ۸ روپے

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ - لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

صدر محترم جنرل محمد یحییٰ نے ۲۸ جون کی تقریر میں موجودہ تشویشناک صورتِ حال کا جس وضاحت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور اس سے عہدہ برا ہونے کے لیے جن عملی تدابیر کو بروئے کار لانے کا عزم ظاہر فرمایا ہے وہ اس نازک مرحلہ پر غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔ ہم صدرِ محترم کے مخلصانہ جذبات اور نیک عزائم کی دل سے پوری قدر کرتے ہوئے انہیں بعض امور کی طرف توجہ دلانے کی جسارت کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری ان گذارشات پر وہ اور ان کے مشیر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

جنرل صاحب نے پاکستان میں دستور کی تاریخ کا جو جائزہ پیش کیا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود بڑا جامع ہے اور اس میں اُن پے در پے ناکامیوں کا بڑے کرب و اضطراب سے ذکر کیا گیا ہے جو اس راہ میں ملک کو پیش آئیں۔ تقسیم ملک سے لے کر پورے ۹ سال تک یہ ریاست ملی نقطۂ نظر سے بے آئین رہی۔ بالآخر خدا خدا کر کے ۱۹۵۶ء میں ایک ایسا آئین تیار کیا گیا جو کسی حد تک قوم کے مزاج کے مطابق اور مسلمانوں کی ملی امنگوں کا ترجمان تھا مگر یہ آئین دو سال بعد ہی مارشل لا کے نفاذ کی وجہ سے کالعدم قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب کی زیر ہدایت ایک نیا آئین مرتب ہوا اور اسے بالجبر سنگینوں کے پہرے میں پورے ملک میں نافذ کیا گیا۔ جن لوگوں کے لیے یہ آئین تیار کیا گیا تھا ان سے نہ تو اس کی ترتیب و تدوین کے مرحلے میں اور نہ اس کے نفاذ کے وقت مشورے کی ضرورت محسوس کی گئی بلکہ ایسے حالات پیدا کیے گئے جن کا مقصد یہ تھا کہ اگر زبان کھولو تو اس دستور کی تعریف و توصیف میں کھولو ورنہ خاموش رہو۔ ۱۹۶۹ء میں رائے عامہ کے غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے جب فیلڈ مارشل صاحب ملک کی باگ ڈور فوج کو سونپتے ہوئے تختِ اقتدار سے الگ ہوئے تو ان کے

جانے کے ساتھ ہی اس آئین کی بساط بھی لپیٹ دی گئی۔

ملک میں دستور سازی کا یہ المیہ بلاشبہ اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے کہ عوامی نمائندوں میں وہ وحدتِ فکر، تدبّر اور عزم نہیں جس سے آئین سازی کا کام بطریقِ احسن سرانجام دیا جاسکے۔ جنرل یحییٰ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس لیے انہوں نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ ملک کے بنیادی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے، جنہیں وہ قانونی ڈھانچے کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اپنی نگرانی میں ماہرین کی مدد سے دستور مرتب کروائیں اور مختلف سیاسی جماعتوں سے مشورے کے بعد اُسے ملک میں نافذ کر دیں چنانچہ اس وقت یہ ماہرین دستور کی تدوین میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اس فیصلہ کُن مرحلہ پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دستور کے بارے میں چند باتیں گوش گزار کر دی جائیں۔

صدر صاحب اور دستور کی ترتیب و تدوین کے ذمہ دار اصحاب کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ ملک دستور سازی کے معاملے میں ایک طویل کشمکش سے گزر چکا ہے۔ غیر اسلامی قوتیں دستور کی سیکولر نہاد اور مزاج کے لیے پوری کوششیں صرف کرتی رہی ہیں اور اب تک اس کام میں منہمک ہیں۔ دوسری طرف اس ملک کی آئیڈیالوجی سے گہری محبت رکھنے والی محبِّ وطن طاقتیں اُن کے ناپاک عزائم کے خلاف ہمیشہ صف آرا رہی ہیں۔ اس زبردست کشمکش کے بعد ۱۹۵۶ء کا جو دستور تیار ہُوا وہ اپنی ساری خامیوں کے باوجود بنیادی طور پر اسلامی دستور کہلانے کا مستحق ہے۔ اس میں قرآن و سنّت کو بطورِ اساس تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت نے اپنے اوپر یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ ملک کے اندر ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی پوری کوشش کرے گی جو اسلام میں مطلوب ہیں اور ان برائیوں کے استیصال کی فکر کرے گی جنہیں اسلام دنیا سے مٹانا چاہتا ہے۔ یہ دستور درحقیقت اسلام پسند قوتوں کی لادینی قوتوں پر فتح و کامرانی کی واضح شہادت ہے۔ ان سارے حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ماہرین کی جو کمیٹی دستور سازی کے کام میں مصروف ہے وہ ان ساری کوششوں کو نہ صرف سامنے رکھے بلکہ ان سے بھرپور استفادہ کرے جو اس سلسلے میں پہلے کی جاچکی ہیں۔ اس ضمن میں قرار دادِ مقاصد کے رہنما اصول، مختلف مکاتبِ فکر کے متفقہ ۲۲ نکات، قائدِ ملت لیاقت علی خاں

کے قائم کردہ بورڈ تعلیماتِ اسلامیہ اور مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کی ناظم الدین رپورٹ پر تفصیلی سفارشات اور ۱۹۵۶ء کے آئین کو پوری طرح سامنے رکھا جائے۔ یہ ساری کاوشیں خواہ اسلامی دستور کا مثالی عکس پیش نہ کرتی ہوں مگر نشانِ منزل کا کام ضرور دیتی ہیں۔۔۔ تدوینِ دستور کے وقت انہیں نظر انداز کرنا کسی طور سے بھی مناسب نہیں۔ اب ماہرینِ دستور کے کرنے کا اصل کام یہ نہیں کہ دستور سازی کے کام کو صفر سے شروع کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس میدان میں پہلے سے جو کچھ موجود ہے اس کی اچھی طرح چھان پھٹک کی جائے اور اس دستوری سرمائے میں سے جو حصہ بھی اسلامی ہے اُسے بڑی فراخدلی سے اخذ کر لیا جائے، اس طریقے سے دستور سازی کا کام سہل اور آسان ہو جائے گا۔

صدر محترم کی یہ نیت کہ اقتدار ملک کے عوامی نمائندوں کو منتقل کر دینا چاہیے بڑی نیک اور مبارک ہے۔ ترجمان القرآن کے صفحات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ ہم نے عوامی اقتدار کی ہمیشہ حمایت کی۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے خلاف ہمیں سب سے بڑی شکایت یہی تھی کہ انہوں نے عوام کے حقوق کو سلب کر رکھا تھا۔ جمہوریت لازمۂ تہذیب اور انسانی عزّوشرف کا سیاسی زندگی میں اعتراف ہے۔ ہم اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہیں گے مگر بدقسمتی سے اس وقت ملک میں جو انارکی کی کیفیت موجود ہے اس میں انتقالِ اقتدار اپنے اندر شدید خطرات رکھتا ہے۔

جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ ملک کی عظیم اکثریت ملک و قوم یا نظریۂ حیات سے اتنی گہری وابستگی رکھتی ہو کہ اس کی خاطر تن، من، دھن قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔ کسی مشترک نصب العین سے یہ محبت اور وابستگی ہی مختلف افراد اور جماعتوں کو سیاسی اختلافات کے باوجود قومی امور کے معاملے میں ایک دوسرے سے قریب رکھتی ہے اور قوم کے مختلف عناصر اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے جُڑے رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہماری قوم اب کسی ایسے نصب العین کی محبت میں سرشار نہیں رہی جو اس کے مائل بہ انتشار اجزاء کو ایک دوسرے سے جوڑ کر ایک وحدت بنا سکے۔ یہ اگرچہ بڑی تلخ بات ہے

مگر ہے ایک ناقابلِ انکار حقیقت۔ خواب وخیال کی دنیا میں بسنے والے جو چاہیں کہتے رہیں لیکن اس اندوہناک صورتِ حال کو آخر کس طرح جھٹلایا جا سکتا ہے کہ مرکز گریز اور اتحاد شکن رجحانات نے یہاں اچھی خاصی پرورش پائی ہے اور ان کے عملی مظاہرے ہم مشرقی پاکستان میں دیکھ چکے ہیں۔ اگر جلد از جلد مؤثر اقدامات نہ کیے جاتے تو مغربی پاکستان بھی ان کی لپیٹ میں پوری طرح آجاتا۔

اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کی اقتصادیات کا سارا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ کارخانے ابھی تک صحیح معنوں میں رواں نہیں ہوئے۔ دفاتر اور منڈیوں میں ابھی تک زندگی اپنے معمول پر نہیں آئی مشرق و مغرب میں ابھی نفسیاتی بُعد موجود ہے۔ تخریب پسند عناصر اگرچہ خوف اور دہشت کی وجہ سے مقابلے سے ہٹ گئے مگر زیرِ زمین اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنی کمین گاہوں سے نکل کر امن پسند شہریوں پر حملے کرتے رہتے اور دہشت پھیلاتے رہتے ہیں۔ یہ ایسے غیر معمولی حالات ہیں جن سے کوئی سول حکومت عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ اگر بالفرض اقتدار منتقل بھی کر دیا جائے تو سول انتظامیہ کو لامحالہ فوج کی مدد حاصل کرنی پڑے گی۔ اب اگر عوامی نمائندے براہِ راست فوج کی خدمات سے فائدہ اٹھا کر ملک کے اندر نظم ونسق قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس سے بعض ایسی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے جنہیں بیان کرنا مناسب نہیں۔ اس وقت ملک میں جو سیاسی پارٹیاں موجود ہیں خصوصاً وہ جنہیں تختِ اقتدار پر متمکن ہونا ہے۔ ان کے افکار و نظریات، اُن کے رجحانات اور ان کے طرزِ عمل سے اس ملک کا ہر فرد بخوبی واقف ہے مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے جو گُل کھلائے ہیں انہیں کون نہیں جانتا۔ اسی طرح مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی جس قسم کے خیالات اور عزائم کا اظہار کرتی رہتی ہے انہیں دیکھتے ہوئے اس بات کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ یہ لوگ اقتدار کے تخت پر براجمان ہونے کے بعد فرشتہ تبدیل ہو جائیں گے۔ اور فوجی قوت کو اپنے اقتدار کے استحکام کے بجائے ملک وملت کے استحکام کے لیے استعمال کریں گے۔ جن لوگوں کے عزائم سے تخریب پسندی کی بُو آتی ہو، جو قوت کے جائز اور ناجائز استعمال میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، جو علاقائی مفادات کے علمبردار ہوں، جنہیں ملک کی نظریاتی اساس سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہ ہو، اور جو قومی مصالح پر نگاہ رکھنے کے بجائے علاقائی عصبیتوں کو اُبھار کر اور خیالی محرومیوں کے افسانے گھڑ کر اور عوام کے جذبات بھڑکا کر اپنی لیڈری کی دکان چمکانا چاہتے ہوں۔ ان کے ہاتھ میں اس نازک مرحلہ پر فوج کی قوت دے دینا قومی نقطۂ نظر سے بڑا خطرناک ہے۔

اقتدار لازمی طور پر عوامی نمائندوں کی طرف منتقل ہونا چاہیے اور فوج کو اپنے اصل فرض یعنی دفاعِ وطن کی طرف پوری یکسوئی سے متوجہ ہو جانا چاہیے۔ فوج سیاسی کھیڑوں سے جس قدر الگ تھلگ رہے اسی قدر ملک کے لیے اچھا ہے لیکن اس وقت ملک کو جو صورتِ حال درپیش ہے اس کی نوعیت سیاسی کھیڑوں کی نہیں بلکہ خوفناک انتشار اور بغاوت کی سی ہے۔ جب تک سیاسی اور معاشی حالات میں استواری پیدا نہیں ہو جاتی اور زندگی کسی حد تک معمول پر نہیں آجاتی اس وقت تک انتقالِ اقتدار کا تقاضا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

پھر اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی غور طلب ہے۔ اس وقت ایک جماعت کی طرف سے شدت سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کر دینا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ جماعت اس ملک میں اکثریت کی نمائندہ ہونے کی وجہ سے اس مطالبے میں حق بجانب ہے؟ اگر گذشتہ انتخابات کے نتائج ہی عوامی نمائندگی کا واحد معیار ہیں تو پھر یہ اقتدار اُس جماعت کے نمائندوں کو منتقل ہونا چاہیے جنہوں نے تخریبِ وطن میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور آج وطن کی حفاظت میں وہ لوگ سینہ سپر ہیں جنہیں عوام نے ووٹ نہیں دیئے۔ عوام کے فیصلے بالشبہ سیاسی زندگی میں فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں مگر افراد کی طرح قوموں کی زندگی میں بھی بعض ایسے لمحات آجاتے ہیں جب وہ ذہنی بُحران میں مبتلا ہو کر توازن کھو دیتی ہیں اور جنون میں نہایت غلط فیصلے کر بیٹھتی ہیں۔ فیلڈ مارشل صاحب نے پورے دس برس سیاسی زندگی کو جس طرح مقید کر رکھا تھا اور اپنی شخصیت کو اُبھارنے کے لیے دوسری قابلِ احترام شخصیتوں کو جس طرح بدنام اور رسوا کرنے کی کوشش کی تھی، پھر معاشی میدان میں "حیرت انگیز" ترقی کی گونج میں عوام جس معاشی بدحالی کا شکار ہوئے اور جس کے تباہ کُن نتائج اب کھل کر سامنے آرہے ہیں۔ ان سب حالات اور مصائب نے قوم کے ذہنی توازن کو بالکل بگاڑ دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیلڈ مارشل صاحب کے میدان سے ہٹتے ہی جب قوم انتخابات کے لیے میدان میں نکلی تو اس پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی۔ چنانچہ ہر وہ فرد جو زبان کے استعمال کے معاملے میں جس قدر مطلق العنان تھا، جو قوم سے خوش کُن وعدے کرنے میں جس قدر جری اور بیباک تھا، جو گروہی اور علاقائی تعصبات پھیلانے میں جس قدر زیادہ مشاق تھا اسی نسبت سے وہ قوم کے مختلف طبقوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اور جنوں کے اس ریلے میں انہیں یہ سوچنے کی بھی فرصت نہ ملی کہ وہ کہاں جا رہے اور کدھر

جا رہے ہیں اور کس غرض کے لیے جا رہے ہیں۔ کیا وہ لوگ جو اس بحرانی کیفیت میں نمائندے چُنے گئے ہیں۔ وہ عوامی نمائندے کہلانے کے مستحق ہیں؟

اس مرحلے پر کرنے کا کام یہ ہے کہ عوام کے اندر از سرِ نو اس مقدس نصب العین کے ساتھ گہری وابستگی پیدا کی جائے جس کی محبت میں سرشار ہو کر انہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جس کی خاطر انہوں نے خون اور آگ کے سمندر میں سے گزرنا گوارا کیا۔ پاکستان کی وحدت، اس کی سالمیت، اس کا بقا اور اس کی ترقی کا سارا دارومدار اسلام اور صرف اسلام پر ہے۔ اگر اسلام درمیان سے ہٹ جائے تو پھر اس ملک کے صرف دو ٹکڑے نہیں ہوں گے بلکہ اس کے لاتعداد حصے بخرے ہوں گے اور یہ ملک چھوٹی چھوٹی قومیتوں کی رزمگاہ بن کر دوسرے ممالک کے لیے تر نوالہ بن جائے گا۔ اس لیے اس وقت سب سے زیادہ توجہ اس ملک کی اسلامی اساس کو مستحکم کرنے کی طرف دینی چاہیے تاکہ قوم کے اندر فکری اور جذباتی ہم آہنگی پیدا کر کے اُسے صحیح معنوں میں ایک ملّت بنایا جا سکے۔ اس خوش گوار تبدیلی کے بعد جو رائے عامہ اُبھر کر سامنے آئے گی وہ صحیح معنوں میں اس ملک کی نمائندہ ہوگی اور اس کی بنیاد پر جو انتظامی ڈھانچہ تیار ہوگا اس سے ملک و ملّت کو انشاء اللہ فائدہ پہنچے گا۔ دیوانگی کے عالم میں کئے ہوئے فیصلے اکثر اوقات غیر متوازن اور غلط ہونے کی بنا پر تباہ کن ہوتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ہم یہ گزارش کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ صدر محترم نے انتقالِ اقتدار کا جو طریق کار تجویز فرمایا ہے وہ بھی محلِ نظر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے جن چھ نکات کی بنیاد پر ملک میں انتخابات لڑے اور جس دھونس اور دھاندلی سے اُنہوں نے غیر معمولی اکثریت حاصل کی وہ کوئی تعمیرِ ملّت کا منشور نہ تھا بلکہ تخریبِ وطن کا ایک خوفناک منصوبہ تھا۔ عوامی لیگ کے کارکنوں اور اس کے منتخب نمائندوں نے اس پلان سے وفاداری کی قسم کھا کر اس سارے خونی ڈرامے کو کھیلا اور اسے ناکام بنانے کے لیے بالآخر فوج کو استعمال کرنا پڑا۔ اب ان "محبِّ وطن ارکان" کی فہرست تیار کر کے انہیں ملکی اقتدار کی باگیں سونپ دینا ذہنوں میں کئی ایک خدشات پیدا کرتا ہے۔ سب سے پہلے مرحلہ پر تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کسے وطن دوست سمجھ کر سینے سے لگایا جائے اور کسے وطن دشمن

سمجھ کر دھتکار دیا جائے۔ جہاں تک چھ نکات کے علمبردار ہونے کا تعلق ہے اُس میں تو سب برابر تھے۔ بلکہ ہر ایک اس معاملے میں دوسرے پر سبقت اور بازی لے جانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ ان نکات کو تیاگ دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو یہ ملک و ملت کے لیے نیک فال ہے۔ مگر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کچھ ارکانِ اسمبلی نے فی الحقیقت اپنے ارادے کا اظہار کیا ہے اور ان کی تعداد بھی معقول ہے، دوسرے تخریب کے اس پروگرام سے دستبردار ہو کر انہوں نے تعمیرِ وطن کے لیے کونسا نیا پروگرام تجویز کیا ہے؟ اُسے بھی سامنے لانا چاہیے تاکہ پُوری ملت کو ان کے بدلے ہوئے نیک ارادوں کا علم ہو سکے محض چھ نکات سے دستبرداری تو کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ چھ نکات کے منفی نتائج سامنے آجانے کے بعد ان حضرات نے تعمیرِ نو کا جو نقشہ بنایا ہے وہ کس نوعیت کا ہے۔ جب تک ان حضرات کا کوئی مثبت پروگرام سامنے نہیں آجاتا اُس وقت تک ذہن ان کے بارے میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔

اسی ضمن میں ذہن کے اندر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کالعدم عوامی لیگ کے اُن "محبِ وطن" عناصر کو اقتدار منتقل کرنے سے ملک و ملت کے ان بہی خواہوں کا کیا حشر ہو گا جنہوں نے موجودہ پُر آشوب اور انتہائی نامساعد حالات میں جان پر کھیل کر وطن کی حفاظت اور پاسبانی کا مقدس فرض سر انجام دیا ہے اور ناقابلِ بیان مصائب سہہ کر اور بے شمار خطرات مول لے کر ملک کی سالمیت کے لیے حکومت سے بھرپور تعاون کیا ہے۔ کیا کالعدم عوامی لیگ کے ارکان کو اقتدار منتقل کرنے کے وعدے سے مُحبِّ وطن طبقوں کے حوصلے پست نہ ہوں گے اور عوامی لیگ کے کارکن شہ پا کر اپنی کارروائیوں میں جری نہ ہوں گے۔ اور وہ طالع آزما عناصر جو ہر چڑھتے سورج کی پرستش کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہ عوامی لیگ کی صفوں میں گھسنے کی کوشش نہ کریں گے اور اپنے آپ کو "شاہ سے زیادہ شاہ کا خیر خواہ" ثابت کرنے کے لیے مجنونانہ حرکات کے ارتکاب پر دوبارہ نہ اتر آئیں گے۔

اسی سلسلے میں صدرِ محترم کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اقتدار کو ان عناصر کے ہاتھ میں منتقل کرنے سے وہ علاقائی تعصبات کے ان بُتوں کو کس طرح پاش پاش کر سکیں گے جس کے لیے انہوں نے

(باقی ص ۶۴ پر)

تفہیم القرآن

المُطَفِّفِین

نام پہلی ہی آیت وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اس کے اندازِ بیان اور مضامین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکۂ معظمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے جب اہلِ مکہ کے ذہن میں آخرت کا عقیدہ بٹھانے کے لیے پے درپے سورتیں نازل ہو رہی تھیں، اور اس کا نزول اُس زمانے میں ہوا ہے جب اہلِ مکہ نے سڑکوں پر، بازاروں میں اور مجلسوں میں مسلمانوں پر آوازے کسنے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، مگر ظلم و ستم اور مار پیٹ کا دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ بعض مفسرین نے اس سورہ کو مدنی قرار دیا ہے۔ اِس غلط فہمی کی وجہ دراصل ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم مدینے تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں میں کم ناپنے اور تولنے کا مرض بُری طرح پھیلا ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ نازل کی اور لوگ بہت اچھی طرح ناپنے تولنے لگے (نسائی، ابن ماجہ، ابن مَردُویَہ، ابن جریر، بیہقی فی شُعَبِ الایمان)۔ لیکن جیسا کہ اس سے پہلے ہم سورۂ دہر کے دیباچے میں بیان کر چکے ہیں، صحابہ اور تابعین کا یہ عام طریقہ تھا کہ ایک آیت جس معاملہ پر چسپاں ہوتی ہو اس کے متعلق وہ یُوں کہا کرتے تھے کہ یہ فلاں معاملہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے ابن عباس کی روایت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ کے لوگوں میں یہ بُری عادت پھیلی ہوئی پائی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے یہ سورت ان کو سنائی اور اس سے اُن کے معاملات درست ہو گئے۔

موضوع اور مضامین اِس کا موضوع بھی آخرت ہے۔

پہلی چھ آیتوں میں اس عام بے ایمانی پر گرفت کی گئی ہے جو کاروباری لوگوں میں بکثرت پھیلی ہوئی تھی کہ دوسروں سے لینا ہوتا تھا تو پُورا ناپ کر اور تول کر لیتے تھے، مگر جب دوسروں کو دینا ہوتا تو ناپ تول میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ گھاٹا دیتے تھے۔ معاشرے کی بیشمار خرابیوں میں سے اس ایک خرابی کو، جس کی قباحت سے کوئی انکار نہ کر سکتا تھا، بطورِ مثال لے کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ آخرت سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب تک لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ ایک روز خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اور کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہے اُس وقت تک یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے معاملات میں کامل راستبازی اختیار کر سکیں۔ کوئی شخص دیانت داری کو "اچھی پالیسی" سمجھ کر بعض معاملات میں دیانت برت بھی لے تو ایسے مواقع پر وہ کبھی دیانت نہیں برت سکتا جہاں بے ایمانی ایک "مفید پالیسی" ثابت ہوتی ہو۔ آدمی کے اندر سچی اور مستقل دیانت داری اگر پیدا ہو سکتی ہے تو صرف خدا کے خوف اور آخرت پر یقین ہی سے ہو سکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں دیانت ایک "پالیسی" نہیں بلکہ "فریضہ" قرار پاتی ہے اور آدمی کے اُس پر قائم رہنے یا نہ رہنے کا انحصار دنیا میں اس کے مفید یا غیر مفید ہونے پر نہیں رہتا۔

اس طرح اخلاق کے ساتھ عقیدۂ آخرت کا تعلق نہایت مؤثر اور دل نشین طریقہ سے واضح کرنے کے بعد آیت ۷ سے ۱۷ تک بتایا گیا ہے کہ بدکار لوگوں کے نامۂ اعمال پہلے ہی جرائم پیشہ لوگوں کے رجسٹر (BLACK LIST) میں درج ہو رہے ہیں اور آخرت میں ان کو سخت تباہی سے دوچار ہونا ہے۔ پھر آیت ۱۸ سے ۲۸ تک نیک لوگوں کا بہترین انجام بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے اعمال نامے بلند پایہ لوگوں کے رجسٹر میں درج ہو رہے ہیں جس پر مقرّب فرشتے مامور ہیں۔

آخر میں اہلِ ایمان کو تسلی دی گئی ہے اور اس کے ساتھ کفّار کو خبردار بھی کیا گیا ہے کہ آج جو لوگ ایمان لانے والوں کی تذلیل کر رہے ہیں، قیامت کے روز یہی مجرم لوگ اپنی اس روش کا بہت بُرا انجام دیکھیں گے اور یہی ایمان لانے والے اِن مجرموں کا بُرا

انجام دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں[1] کے لیے۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پُورا پُورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں[2]۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن[3] یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اُس دن جبکہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ہرگز نہیں[4]، یقیناً بدکاروں کا نامۂ اعمال قید خانے کے دفتر میں ہے[5]۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ

---

[1] اصل میں لفظ مُطَفِّفِین استعمال کیا گیا ہے جو تَطْفِیف سے مُشتق ہے۔ عربی زبان میں طَفِیف چھوٹی اور حقیر چیز کے لیے بولتے ہیں اور تطفیف کا لفظ اصطلاحاً ناپ تول میں چوری چھپے کمی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ کام کرنے والا ناپ کر یا تول کر چیز دیتے ہوئے کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا بلکہ ہاتھ کی صفائی دکھا کر ہر خریدار کے حصے میں سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے اور خریدار بیچارے کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ تاجر اسے کیا اور کتنا گھاٹا دے گیا ہے۔

[2] قرآن مجید میں جگہ جگہ ناپ تول میں کمی کرنے کی سخت مذمت اور صحیح ناپنے اور تولنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ سُورۂ انعام میں فرمایا "انصاف کے ساتھ پُورا ناپو اور تولو، ہم کسی شخص کو اس کی مقدرت سے زیادہ کا مکلّف نہیں ٹھیراتے" (آیت ۱۵۲)۔ سُورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہُوا "جب ناپو تو پُورا ناپو اور صحیح ترازو سے تولو" (آیت ۳۵)۔ سورۂ رحمان میں تاکید کی گئی کہ "تولنے میں زیادتی نہ کرو، ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ وزن کرو اور ترازو میں گھاٹا نہ دو" (آیات ۸-۹)۔ قومِ شعیب پر جس جرم کی وجہ سے عذاب نازل ہُوا وہ یہی تھا کہ اس کے اندر ناپ تول میں کمی کرنے کا مرض عام طور پر پھیلا ہُوا تھا اور حضرت شُعَیب کی پے در پے نصیحتوں کے باوجود یہ قوم اِس جُرم سے باز نہ آتی تھی۔

[3] روزِ قیامت کو بڑا دن اس بنا پر کہا گیا ہے کہ اس میں تمام انسانوں اور جنوں کا حساب خدا کی عدالت میں بیک وقت لیا جائے گا اور عذاب و ثواب کے اہم ترین فیصلے کیے جائیں گے۔

[4] یعنی اِن لوگوں کا یہ گمان غلط ہے کہ دنیا میں اِن جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد یہ یونہی چھوٹ جائیں گے

وہ قید خانے کا دفتر کیا ہے؟ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ تباہی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے جو روزِ جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزر جانے والا بدعمل ہے۔ اُسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں۶ تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ دراصل اِن لوگوں کے دلوں پر اِن کے بُرے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۷۔ ہرگز نہیں، بالیقین اُس روز یہ اپنے رب کی دید سے محروم رکھے جائیں گے۸، پھر یہ جہنم میں جا پڑیں گے، پھر اِن سے کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ہرگز نہیں۹، بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال بلند پایہ لوگوں کے دفتر میں ہے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ کیا ہے وہ بلند پایہ لوگوں کا دفتر؟ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس کی نگہداشت مقرب فرشتے کرتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے، اُونچی مسندوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر تم خوشحالی کی رونق محسوس کرو گے۔ ان کو

اور کبھی اِن کو اپنے خدا کے سامنے جواب دہی کے لیے حاضر نہ ہونا پڑے گا۔

۵ اصل میں لفظ سِجّین استعمال ہوا ہے جو سِجن (جیل یا قید خانے) سے ماخوذ ہے اور آگے اُس کی جو تشریح کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں سزا کے مستحق لوگوں کے اعمالنامے درج کیے جا رہے ہیں۔

۶ یعنی وہ آیات جن میں روزِ جزا کی خبر دی گئی ہے۔

۷ یعنی جزا و سزا کو افسانہ قرار دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، لیکن جس وجہ سے یہ لوگ اسے افسانہ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کرتے رہے ہیں ان کا زنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے اس لیے جو بات سراسر معقول ہے وہ اِن کو افسانہ نظر آتی ہے۔ اس زنگ کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہی چلا جائے تو پورے دل پر وہ چھا جاتا ہے (مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، حاکم، ابن ابی حاتم، ابن حِبّان وغیرہ)۔

۸ یعنی دیدارِ الٰہی کا جو شرف نیک لوگوں کو نصیب ہوگا اس سے یہ لوگ محروم رہیں گے (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد ششم، القیامہ، حاشیہ ۱۷)۔

۹ یعنی اِن لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ کوئی جزا و سزا واقع ہونے والی نہیں ہے۔

نفیس ترین سربند شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مُہر لگی ہوگی۔[۱۰] جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اِس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔ اس شراب میں تسنیم[۱۱] کی آمیزش ہوگی، یہ ایک چشمہ ہے جس کے پانی کے ساتھ مقرّب لوگ شراب پئیں گے۔

مُجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جب اُن کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مار مار کر ان کی طرف اشارے کرتے تھے۔ اپنے گھروں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے[۱۲]، اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں[۱۳]، حالانکہ وہ اُن پر نگراں بنا کر

---

[۱۰] اصل الفاظ ہیں خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ۔ اِس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن برتنوں میں وہ شراب رکھی ہوگی اُن پر مٹی یا موم کے بجائے مشک کی مُہر ہوگی۔ اس مفہوم کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ شراب کی ایک نفیس ترین قسم ہوگی جو نہروں میں بہنے والی شراب سے اشرف و اعلیٰ ہوگی اور اسے جنت کے خدام مشک کی مہر لگے ہوئے برتنوں میں لا کر اہل جنت کو پلائیں گے۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ شراب جب پینے والوں کے حلق سے اترے گی تو آخر میں ان کو مُشک کی خوشبو محسوس ہوگی۔ یہ کیفیت دنیا کی شرابوں کے بالکل برعکس ہے جن کی بوتل کھلتے ہی بُو کا ایک بھپکا ناک میں آتا ہے، پیتے ہوئے بھی ان کی بدبو محسوس ہوتی ہے۔ اور حلق سے جب وہ اُترتی ہے تو دماغ تک اُس کی سڑاند پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے بدمزگی کے آثار ان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں۔

[۱۱] تسنیم کے معنی بلندی کے ہیں، اور کسی چشمے کو تسنیم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بلندی سے بہتا ہوا نیچے آرہا ہو۔

[۱۲] یعنی یہ سوچتے ہوئے پلٹتے تھے کہ آج تو مزا آگیا، مَیں نے فلاں مسلمان کا مذاق اڑا کر اور اس پر آوازے اور پھبتیاں کس کر خوب لُطف اٹھایا اور لوگوں میں بھی اس کی اچھی گت بنی۔

[۱۳] یعنی اِن کی عقل ماری گئی ہے، اپنے آپ کو دنیا کے فائدوں اور لذتوں سے صرف اس لیے محروم کرلیا ہے اور ہر طرح کے خطرات اور مصائب صرف اس لیے مول لے لیے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں آخرت اور جنت اور دوزخ کے چکر میں ڈال دیا ہے۔ جو کچھ حاضر ہے اُسے اس موہوم امید پر چھوڑ رہے ہیں کہ موت کے بعد کسی جنت کے ملنے کا اِن سے وعدہ کیا گیا ہے، اور جو تکلیفیں آج پہنچ رہی ہیں اُنہیں اس خیالِ خام کی بنا پر انگیز کر رہے ہیں کہ دوسری دنیا میں کوئی جہنّم ہوگی جس کے عذاب سے اِنہیں ڈرا دیا گیا ہے۔

نہیں بھیجے گئے تھے[۱۴]۔ آج ایمان لانے والے کفّار پر ہنس رہے ہیں، مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان کا حال دیکھ رہے ہیں، مل گیا نا کافروں کو اُن حرکتوں کا ثواب جو وہ کیا کرتے تھے[۱۵]؟ ع

---

[۱۴] اس مختصر سے فقرے میں اُن مذاق اُڑانے والوں کو بڑی سبق آموز تنبیہ کی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ بالفرض وہ سب کچھ غلط ہے جس پر مسلمان ایمان لاتے ہیں لیکن وہ تمہارا تو کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں۔ جس چیز کو انہوں نے حق سمجھا ہے اس کے مطابق وہ اپنی جگہ خود ہی ایک خاص اخلاقی رویہ اختیار کر رہے ہیں۔ اب کیا خدا نے تمہیں کوئی فوجدار بنا کر بھیجا ہے کہ جو تمہیں نہیں چھیڑ رہا ہے اس کو تم چھیڑو، اور جو تمہیں کوئی تکلیف نہیں دے رہا ہے اسے تم خواہ مخواہ تکلیف دو؟

[۱۵] اس فقرے میں ایک لطیف طنز ہے۔ چونکہ وہ کفّار کارِ ثواب سمجھ کر مومنوں کو تنگ کرتے تھے، اس لیے فرمایا گیا کہ آخرت میں مومن جنّت میں مزے سے بیٹھے ہوتے جہنّم میں جلنے والے اِن کافروں کا حال دیکھیں گے اور اپنے دلوں میں کہیں گے کہ خوب ثواب اِنہیں اِن کے اعمال کا مل گیا۔

تفہیم القرآن

الانشقاق

نام | پہلی ہی آیت کے لفظ اِنْشَقَّتْ سے ماخوذ ہے۔ اِنشِقاق مصدر ہے جس کے معنی پھٹ جانے کے ہیں اور اِس نام کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ سورۃ ہے جس میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر آیا ہے۔

زمانۂ نزول | یہ بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دَور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے اِس کے مضمون کی داخلی شہادت یہ بتا رہی ہے کہ ابھی ظلم وستم کا دَور شروع نہیں ہُوا تھا، البتہ قرآن کی دعوت کو مکہ میں برملا جھٹلایا جا رہا تھا اور لوگ یہ ماننے سے انکار کر رہے تھے کہ کبھی قیامت برپا ہوگی اور انہیں اپنے خدا کے سامنے جواب دہی کے لیے حاضر ہونا پڑے گا۔

موضوع اور مضمون | اس کا موضوع قیامت اور آخرت ہے۔

پہلی پانچ آیتوں میں نہ صرف قیامت کی کیفیت بیان کی گئی ہے بلکہ اس کے برحق ہونے کی دلیل بھی دے دی گئی ہے۔ اُس کی کیفیت یہ بتائی گئی ہے کہ اُس روز آسمان پھٹ جائے گا، زمین پھیلا کر ہموار میدان بنا دی جائے گی، جو کچھ زمین کے پیٹ میں ہے (یعنی مُردہ انسانوں کے اجزائے بدن اور ان کے اعمال کی شہادتیں) سب کو نکال کر وہ باہر پھینک دے گی، حتیٰ کہ اس کے اندر کچھ باقی نہ رہے گا۔ اور اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ آسمان وزمین کے لیے اُن کے رب کا حکم یہی ہوگا اور چونکہ دونوں اُس کی مخلوق ہیں اس لیے وہ اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ اُن کے لیے حق یہی ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کریں۔

اس کے بعد آیت ۶ سے ۹ تک بتایا گیا ہے کہ انسان کو خواہ اِس کا شعور ہو یا نہ ہو، بہر حال وہ اُس منزل کی طرف چار و ناچار چلا جا رہا ہے جہاں اُسے اپنے رب کے آگے پیش ہونا ہے۔ پھر سب انسان دو حصّوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک، وہ جن کا نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کسی سخت حساب فہمی کے بغیر معاف کر دیئے جائیں گے۔ دوسرے وہ جن کا نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا۔ وہ چاہیں گے کہ کسی طرح انہیں موت آجائے، مگر مرنے کے بجائے وہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ ان کا یہ انجام اس لیے ہوگا کہ وہ دنیا میں اِس غلط فہمی پر مگن رہے کہ کبھی خدا کے سامنے جواب دہی کے لیے حاضر ہونا نہیں ہے۔ حالانکہ ان کا رب ان کے سارے اعمال کو دیکھ رہا تھا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان اعمال کی باز پرس سے چھوٹ جائیں۔ اُن کا دنیا کی زندگی سے آخرت کی جزا و سزا تک درجہ بدرجہ پہنچنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا سورج ڈوبنے کے بعد شفق کا نمودار ہونا، دن کے بعد رات کا آنا اور اس میں انسان اور حیوانات کا اپنے اپنے بسیروں کی طرف پلٹنا، اور چاند کا ہلال سے بڑھ کر ماہِ کامل بننا یقینی ہے۔

آخر میں اُن کفّار کو دردناک سزا کی خبر دے دی گئی ہے جو قرآن کو سُن کر خدا کے آگے جھکنے کے بجائے اُلٹی تکذیب کرتے ہیں، اور اُن لوگوں کو بے حساب اجر کا مژدہ سُنا دیا گیا ہے جو ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا[1] اور اس کے لیے حق بھی ہے (کہ اپنے رب کا حکم مانے)۔ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی[2] اور جو کچھ اس کے اندر ہے اُسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی[3] اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اُس کے لیے حق یہی ہے (کہ اس کی تعمیل کرے)[4]۔ اے انسان، تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے[5] اور اُس سے

---

[1] اصل میں اَذِنَتْ لِرَبِّھَا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کے لفظی معنی ہیں " وہ اپنے رب کا حکم سُنے گا"۔ لیکن عربی زبان میں محاورے کے طور پر اَذِنَ لَہٗ کے معنی صرف یہی نہیں ہوتے کہ اس نے حکم سُنا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس نے حکم سُن کر ایک تابعِ فرمان کی طرح اس کی تعمیل کی اور ذرا سرتابی نہ کی۔

[2] زمین کے پھیلا دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ سمندر اور دریا پاٹ دیئے جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیئے جائیں گے، اور زمین کی ساری اونچ نیچ برابر کر کے اسے ایک ہموار میدان بنا دیا جائے گا۔ سُورۂ طٰہٰ میں اس کیفیت کو یُوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ " اسے ایک چٹیل میدان بنا دے گا جس میں تم کوئی بل اور سَلوٹ نہ پاؤ گے" (آیات ۱۰۶-۱۰۷)۔ حاکم نے مُستدرک میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ " قیامت کے روز زمین ایک دسترخوان کی طرح پھیلا کر بچھا دی جائے گی، پھر انسانوں کے لیے اُس پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ہو گی"۔ اِس بات کو سمجھنے کے لیے یہ حقیقت نگاہ میں رہنی چاہیے کہ اُس دن تمام انسانوں کو جو اوّلِ روزِ آفرینش سے قیامت تک پیدا ہوئے ہوں گے، بیک وقت زندہ کر کے عدالتِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔ اتنی بڑی آبادی کو جمع کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ سمندر، دریا، پہاڑ، جنگل، گھاٹیاں اور پست و بلند علاقے سب کے سب ہموار کر کے پُورے کرۂ زمین کو ایک میدان بنا دیا جائے تاکہ اس پر ساری نوعِ انسانی کے افراد کھڑے ہونے کی جگہ پا سکیں۔

[3] مطلب یہ ہے کہ جتنے مرے ہوئے انسان اس کے اندر پڑے ہوں گے سب کو نکال کر وہ باہر ڈال دیگی، اور اسی طرح اُن کے اعمال کی جو شہادتیں اُس کے اندر موجود ہوں گی وہ سب بھی پُوری کی پُوری باہر آجائیں گی، کوئی چیز بھی اُس میں چھپی اور دبی ہوئی نہ رہ جائے گی۔

ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامۂ اعمال اُس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا، اُس سے ہلکا حساب لیا جائیگا[ل]

[ک] یہ صراحت نہیں کی گئی کہ جب یہ اور یہ واقعات ہو نگے تو کیا ہوگا، کیونکہ بعد کا یہ مضمون اُس کو آپ سے آپ ظاہر کر دیتا ہے کہ اے انسان تو اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے، اُس کے سامنے حاضر ہونے والا ہے، تیرا نامۂ اعمال تجھے دیا جانے والا ہے، اور جیسا تیرا نامۂ اعمال ہوگا اس کے مطابق تجھے جزا یا سزا ملنے والی ہے۔

[ک] یعنی وہ ساری تگ و دو اور دَوڑ دھوپ جو تُو دنیا میں کر رہا ہے، اُس کے متعلق چاہے تُو یہی سمجھتا رہے کہ یہ صرف دنیا کی زندگی تک ہے اور دنیوی اغراض کے لیے ہے، لیکن درحقیقت تو شعوری یا غیر شعوری طور پر جا رہا ہے اپنے رب ہی کی طرف اور آخر کار وہیں تجھے پہنچ کر رہنا ہے۔

[ل] یعنی اُس سے سخت حساب فہمی نہ کی جائے گی۔ اُس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ فلاں فلاں کام تُو نے کیوں کیے تھے اور تیرے پاس اُن کاموں کے لیے کیا عذر ہے۔ اُس کی بھلائیوں کے ساتھ اُس کی بُرائیاں بھی اُس کے نامۂ اعمال میں موجود ضرور ہونگی، مگر بس یہ دیکھ کر کہ بھلائیوں کا پلڑا بُرائیوں سے بھاری ہے، اس کے قصوروں سے درگزر کیا جائے گا اور اُسے معاف کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں بداعمال لوگوں سے سخت حساب فہمی کے لیے سُوْءَ الْحِسَاب (بُری طرح حساب لینے) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں (الرّعد، آیت ۱۸)، اور نیک لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم ان کے بہتر اعمال قبول کریں گے اور ان کی بُرائیوں سے درگزر کریں گے" (الاحقاف، آیت ۱۶)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے اُسے امام احمد، بخاری، مُسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، حاکم، ابن جریر، عبد بن حُمید اور ابن مَرْدُوْیَہ نے مختلف الفاظ میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جس سے بھی حساب لیا گیا وہ مارا گیا"۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ "جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا"؟ حضورؐ نے جواب دیا "وہ تو صرف اعمال کی پیشی ہے، لیکن جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ مارا گیا"۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضورؐ کو نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سُنا کہ "خدایا مجھ سے ہلکا حساب لے"۔ آپ نے جب سلام پھیرا تو میں نے اس کا مطلب پوچھا۔ آپ نے فرمایا "ہلکے حساب سے مراد یہ ہے کہ بندے کے نامۂ اعمال کو دیکھا جائے گا اور اُس سے درگزر کیا جائیگا۔

اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔[۷] رہا وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اُس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا[۸] تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔ وہ اپنے گھر والوں میں مگن تھا۔[۹] اس نے سمجھا تھا کہ اُسے کبھی پلٹنا نہیں ہے۔ پلٹنا کیسے نہ تھا، اُس کا رب اُس کے کرتوت دیکھ رہا تھا۔[۱۰]

بس نہیں، مَیں قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی اور جو کچھ وہ سمیٹ لیتی ہے، اور چاند

اے عائشہ، اُس روز جس سے حساب فہمی کی گئی وہ مارا گیا۔"

[۷] اپنے لوگوں سے مراد آدمی کے وہ اہل وعیال، رشتہ دار اور ساتھی ہیں جو اُسی کی طرح معاف کیے گئے ہونگے۔

[۸] سورۂ الحاقہ میں فرمایا گیا ہے کہ جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور یہاں ارشاد ہوا ہے اُس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا۔ غالباً اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ شخص اس بات سے تو پہلے ہی مایوس ہوگا کہ اُسے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے گا، کیونکہ اپنے کرتوتوں سے وہ خوب واقف ہوگا اور اسے یقین ہوگا کہ مجھے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ملنے والا ہے۔ البتہ ساری خلقت کے سامنے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال لیتے ہوئے اسے خفت محسوس ہوگی، اس لیے وہ اپنا ہاتھ پیچھے کر لے گا۔ مگر اس تدبیر سے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اپنا کچا چٹھا اپنے ہاتھ میں لینے سے بچ جائے، وہ تو بہر حال اسے پکڑایا ہی جائے گا خواہ وہ ہاتھ آگے بڑھا کر لے یا پیٹھ کے پیچھے چھپا لے۔

[۹] یعنی اُس کا حال خدا کے صالح بندوں سے مختلف تھا جن کے متعلق سورۂ طور (آیت ۲۶) میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں میں خدا سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے، یعنی ہر وقت انہیں یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں بال بچوں کی محبت میں گرفتار ہو کر ہم اُن کی دنیا بنانے کے لیے اپنی عاقبت برباد نہ کر لیں۔ اس کے برعکس اُس شخص کا حال یہ تھا کہ اپنے گھر میں وہ چین کی بنسری بجا رہا تھا اور خوب بال بچوں کو عیش کرا رہا تھا، خواہ وہ کتنی ہی حرام خوریاں کر کے اور کتنے ہی لوگوں کے حق مار کر یہ سامانِ عیش فراہم کرے، اور اِس لطف و لذت کے لیے خدا کی باندھی ہوئی حدوں کو کتنا ہی پامال کرتا رہے۔

[۱۰] یعنی یہ خدا کے انصاف اور اس کی حکمت کے خلاف تھا کہ جو کرتوت وہ کر رہا تھا ان کو وہ نظر انداز کر دیتا اور اسے اپنے سامنے بلا کر کوئی باز پُرس اس سے نہ کرتا۔

کی جب کہ وہ ماہِ کامل ہو جاتا ہے، تم کو ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے[۱۱]۔ پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور جب قرآن اِن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے[۱۲]؟ بلکہ یہ منکرین تو اُلٹا جھٹلاتے ہیں، حالانکہ جو کچھ یہ (اپنے نامۂ اعمال میں) جمع کر رہے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے[۱۳]۔ لہٰذا اِن کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ ع ۱

[۱۱] یعنی تمہیں ایک حالت پر نہیں رہنا ہے بلکہ جوانی سے بڑھاپے، بڑھاپے سے موت، موت سے برزخ، برزخ سے دوبارہ زندگی، دوبارہ زندگی سے میدانِ حشر، پھر حساب و کتاب اور پھر جزا و سزا کی بے شمار منزلوں سے لازماً تم کو گزرنا ہوگا۔ اِس بات پر تین چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے: سورج ڈوبنے کے بعد شفق کی سُرخی، دن کے بعد رات کی تاریکی اور اس میں اُن بہت سے انسانوں اور حیوانوں کا سمٹ آنا جو دن کے وقت زمین پر پھیلے رہتے ہیں، اور چاند کا ہلال سے درجہ بدرجہ بڑھ کر بدرِ کامل بننا۔ یہ گویا چند وہ چیزیں ہیں جو اس بات کی علانیہ شہادت دے رہی ہیں کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے اس کے اندر کہیں ٹھیراؤ نہیں ہے، ایک مسلسل تغیّر اور درجہ بدرجہ تبدیلی ہر طرف پائی جاتی ہے لہٰذا کفّار کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ موت کی آخری ہچکی کے ساتھ معاملہ ختم ہو جائے گا۔

[۱۲] یعنی اِن کے دل میں خدا کا خوف پیدا نہیں ہوتا اور یہ اُس کے آگے نہیں جھکتے۔ اِس مقام پر سجدہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عمل سے ثابت ہے۔ امام مالک، مسلم اور نسائی نے حضرت اُبو ہُریرہؓ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے نماز میں یہ سُورہ پڑھ کر اس مقام پر سجدہ کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہاں سجدہ کیا ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے ابو رافع کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے عشاء کی نماز میں یہ سُورۃ پڑھی اور سجدہ کیا۔ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ مَیں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور حضورؐ نے اس مقام پر سجدہ کیا ہے، اس لیے میں مرتے دم تک یہ سجدہ کرتا رہوں گا۔ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ وغیرہم نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے اس سُورۃ میں اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ میں سجدہ کیا ہے۔

[۱۳] دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے سینوں میں جو کفر اور عناد اور عداوتِ حق اور بُرے ارادوں اور فاسد نیتوں کی گندگی انہوں نے بھر رکھی ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

مروان اور اُس کے باپ کا مقام

(حدیث اور مسلکِ سلف کی روشنی میں)

ملک غلام علی صاحب

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تصنیف "خلافت و ملوکیت" کے خلاف پہلے کئی سال تک دیوبندی حضرات کا ایک خاص گروہ پورے ملک میں گلی گلی اور کوچے کوچے سبّ و شتم اور اشتعال و منافرت کا ایک طوفان برپا کرتا رہا۔ اس کے بعد اب ایک دوسرا گروہ ایک دوسرے انداز میں پیش قدمی کر رہا ہے اور طرح طرح کے اعتراضات کو بزعمِ خویش مُدلّل و مُزخرف بنا بنا کر سامنے لا رہا ہے اس سلسلے میں مولانا مفتی شفیع صاحب کے صاحبزادے محمد تقی عثمانی صاحب نے "البلاغ" میں جو کچھ لکھا اس کی علمی حیثیت میں اپنے جواب اور جواب الجواب میں واضح کر چکا ہوں جسے دیکھ کر اہلِ علم خود رائے قائم کر سکتے ہیں کہ اس مخالفت کی تہ میں علم و استدلال کا کتنا وزن ہے۔ اب مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے رسالہ بیّنات نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور اس کی تازہ ربیع الثانی کی اشاعت میں محمد اسحٰق سندیلوی صاحب، مولانا ولی حسن ٹونکی صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب کی نگارشات شائع ہوئی ہیں۔ سندیلوی صاحب کی بحث نو نامکمل اور غالباً کسی کتاب کا جزو ہے۔ جو میری نظر سے نہیں گزری، اس لیے اس پر اس وقت کچھ لکھنا میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔ لیکن دوسرے دو اصحاب نے جو خصوصی توجہ و عنایت میرے حال پر فرمائی ہے، اس کے متعلق کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کو طول دینے سے ہماری طبیعت ابا کرتی ہے اور عام ناظرین کے لیے بھی یہ ایک تھکا دینے والی بحث ہو گی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بغضِ مودودی بعض حضرات کو کسی طرح چین نہیں لینے دیتا اور وہ پے در پے اپنے بودے اور بے جان دلائل لا لا کر محض مولانا مودودی کی ضد میں بنو امیہ کے ہر فرد کی وکالت کرنے پر تلے ہوتے ہیں جو اکابرِ امت میں سے کسی نے آج تک نہیں کی۔ "خلافت و ملوکیت" کے سلسلے میں میری اب تک کی بحث جو ترجمان القرآن

میں شائع ہو چکی ہے، اس میں ضمناً بعض مقامات پر مروان کا ذکر آ گیا ہے۔ بیّنات (کراچی) کے تازہ ربیع الثانی کے شمارے میں مروان سے متعلق ان مندرجات کا تعاقب کیا گیا ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ لینا تو سردست ممکن نہیں ہے: تاہم اس تعاقب کے بعض اجزاء ایسے ہیں جن پر تبصرہ و استدراک ضروری محسوس ہوتا ہے۔

مُستدرک کی حدیث | مولانا مودودیؒ نے خلافت و ملوکیت میں ص ۱۴۷، پر البدایہ کی ایک روایت کا حوالہ دیا تھا۔ مدیر البلاغ نے اس روایت کو مُشتبہ قرار دیتے ہوئے ایک وجہ یہ بیان کی تھی کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف جو الفاظ: لعن اللہ الحکم وما ولد منسوب کیے گئے ہیں وہ مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں تحریر کیا تھا کہ ایسی متعدد روایات حدیث و تاریخ میں موجود ہیں۔ مثلاً مستدرک امام حاکمؒ جلد ۴ ص ۴۸۱ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم اور اس کے بیٹے (مروان) پر لعنت کی ہے اور اس روایت کے متعلق امام ذہبیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ صحیح ہے۔ محمد تقی صاحب نے اس پر لکھا تھا کہ "توجہ دلانے پر میں نے مستدرک سے رجوع کیا اور مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی"[1]

اس کے بعد تازہ بیّنات میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "تلخیص ذہبی میں "صحیح" نظر آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے صحت تسلیم کر لی۔ ہاں اگر صحیح کہیں اور پھر کوئی کلام نہ کریں تب مطلب یہی ہو گا کہ اس کی صحت تسلیم کر لی گئی۔ یہ روایت جسے مولانا عثمانی نے فراخدلی سے قبول فرما لیا ہے، صحیح نہیں۔ نہ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح پر صاد کیا ہے، نہ اصولِ حدیث کے معیار ہی پر وہ پوری اترتی ہے، اس روایت کا مدار ابن رشدین پر ہے جو خود اور اس کا سارا گھرانہ کذّاب تھا۔ مروان اور بنو امیہ کے بارے میں بیشتر روایات و حکایات کا یہی حال ہے کہ وہ کارخانہ رفض کی پیداوار ہیں اور یہ ایک الگ مقالے کا موضوع ہے۔" اب مولانا ٹونکی صاحب کی ایک ایک بات پر علیحدہ اور مفصّل کلام کیا جائے تو یہ بھی شاید کئی مقالوں کا موضوع بن جائے گا۔ اس لیے میں موجودہ جائزے میں ضروری باتیں عرض کروں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ امام حاکمؒ کی تصحیح سے امام ذہبی جب کبھی اظہارِ اختلاف کرتے ہیں یا "صحیح" لکھنے کے بعد زائد کلام کرتے ہیں، تو اس سے ہر حال میں یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث کو موضوع و مردود

[1] اب محمد تقی صاحب نے پھر اپنے اس موقف سے رجوع کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ ان کا اعتراف صحیح نہ تھا اور بیّنات والوں کی بات درست ہے۔ تفصیل مضمون کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

قرار دے رہے ہیں۔ اسی لیے امام ذہبیؒ کا انداز اور الفاظ ہر جگہ یکساں نہیں ہوتے۔ کسی جگہ وہ سختی اور قطعیت کے ساتھ لا، واللہ وغیرہ الفاظ کے ساتھ تنقید کرتے ہیں، اور بعض دفعہ نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ صورت واقعی یہ ہے کہ امام حاکمؒ نے جو احادیث مستدرک میں جمع کی ہیں، ان کے نزدیک یہ احادیث اکثر وبیشتر بخاری و مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں اور ہر علت سے خالی ہیں۔ اس کے برعکس امام ذہبیؒ کے بیانِ اختلاف کا مقصود بالعموم یہ ہوتا ہے کہ فلاں حدیث شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر نہیں ہے یا اس میں کوئی مخفی علت ایسی ہے جس کی بنا پر اسے امام بخاری یا امام مسلم نے نہیں لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مستدرک کی کوئی حدیث علیٰ شرط الشیخین نہیں تو "بس وہ کارخانہ رفض ہی کی پیداوار ہے"۔ اس طرح تو مستدرک ہی نہیں بلکہ صحاح کی بہت سی احادیث سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

مثال کے طور پر مستدرک جلد اول ص ۲۳ کی دوسری حدیث پر امام حاکم لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث صحیحین کی شرط پر ہے۔ مجھے اس میں کسی علت کا علم نہیں، لیکن بخاری و مسلم نے اسے نہیں لیا"۔ اس پر امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ "اس میں ایک راوی ایسا ہے جس سے فقط بخاری نے تخریج کی ہے مسلم نے نہیں کی"۔ اب ذہبیؒ کے اس ریمارک سے کیا یہ حدیث بالکل معلول اور ساقط الاعتبار ہو جائے گی؟ آگے ص ۴۲ پر ایک حدیث پر امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک راوی عزیز الحدیث ہے اور اس سے صحیحین میں روایت نہیں لی گئی۔ اسی طرح ص ۵۲ پر ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الوہم ہے۔ اب کیا یہ سب احادیث موضوع قرار پائیں گی؟ یہی حال اس حدیث کا ہے جس کے متعلق مفتی صاحب فتویٰ دے رہے ہیں کہ وہ اصول حدیث کے معیار ہی پر پوری نہیں اترتی۔ امام ذہبیؒ نے اس حدیث کے ایک راوی احمد بن محمد بن حجاج رشدینیؒ[1] کے متعلق صرف یہ کہا ہے کہ اسے ابنِ عدی نے ضعیف کہا ہے۔ اب یہ تو ایسی جرح ہے کہ صحاح ستہ کے بھی بے شمار راوی ایسے ہیں جو اس سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ صحاح کے رجال اور شروح حدیث کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہے وہ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ ابن عدی کی تضعیف سے ابن رشدین کا رافضی یا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔ خود امام ذہبی نے میزان میں ابن رشدین دار رشدینی سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ لولم ابعث فیکم لبعث عمر نبیاً (اگر میں تم میں مبعوث

---

[1] یہ اغلاط رشدینی یا رُشدین نہیں ہے جیسا کہ بیّنات میں بار بار لکھا گیا ہے۔ صحیح لفظ رِشدین بروزن مِسکین ہے۔ صاحبِ تحفۃ الاحوذی اور دوسرے محدثین نے تصریح کی ہے کہ راء بالکسر ہے۔

نہ ہوتا تو عمر نبی بن کر آتے)۔ اب اس روایت کے راوی کو اور جو کچھ بھی کہا جاتے، مگر رافضی کہنا تو عجیب ہے۔ اِس راوی کی روایات سنن ترمذی، ابن ماجہ اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً ترمذی باب المندیل بعد الوضوء میں اسی رشدین کی حدیث موجود ہے۔ آگے باب کراھیۃ التخطی یوم الجمعہ میں بھی اسی راوی کے ضعف کے باوجود اس کی حدیث وارد ہے جس پر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں لا نعرفہ الا من حدیث رشدین بن سعد والعمل علیہ عند اھل العلم (اس حدیث کو ہم رشدین ہی کے واسطے سے جانتے ہیں اور اسی حدیث پر اہلِ علم کا عمل ہے)۔ قاضی استاذ احمد محمد شاکر جو سند کے معاملے میں بڑے متشدد ہیں، وہ اس حدیث کے حاشیے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ومثل ھذا یرجح عندی ان لا یقل حدیثہ عن درجۃ الحسن (رشدین جیسے راوی کے معاملے میں میرے نزدیک قولِ راجح یہ ہے کہ اس کی حدیث حَسَن کے درجے سے فروتر نہیں ہے)۔

یہ بات فی الواقع بڑی عجیب و غریب ہے کہ جس راوی کی روایت مولانا مودودی یا ان کی تائید میں راقم کی طرف سے نقل کر دی جاتی ہے اُس میں فوراً کیڑے پڑ جاتے ہیں اور وہ راوی جھٹ سے رافضی اور کذاب بن جاتا ہے۔ مَیں نے اس کی متعدد مثالیں محمد تقی صاحب کے مضامین میں بھی دیکھی ہیں۔ مثلاً: البلاغ صفر ۱۳۸۹ھ ص ۱۵ پر ابنِ جریر کی ایک روایت جس کا خلافت و ملوکیت میں حوالہ دیا گیا تھا، اس کا ایک راوی مجالد بن سعید ہے۔ اس کے متعلق اصحابِ رجال کے اقوال میں کتر بیونت کرتے ہوئے عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ اس راوی کے ضعیف ہونے پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ یہ جھوٹا ہے، شیعہ ہے، مجہول ہے، متروک ہے ......، حالانکہ حافظ ابن حجر اور حافظ محمد بن طاہر المقدسی کی تصریح کے مطابق اس مجالد بن سعید سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث لی ہے اور ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابنِ ماجہ چاروں نے اس سے روایت کی ہے۔ ائمہ احناف نے اس راوی کی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ مثال کے طور پر امام ابو یوسف نے الرد علی سیر الاوزاعی (لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ، حیدر آباد، ص ۵) میں اس سے روایت لی ہے اور مولانا ابو الوفاء الافغانی[1] حاشیے میں اس راوی کے متعلق فرماتے ہیں:

[1] مولانا ابو الوفاء افغانی ایک بلند پایہ حنفی عالم ہیں جنہوں نے احناف کی متعدد امہات کتب تحقیق و تنقیح کے ساتھ مصر اور حیدر آباد، دکن میں شائع کرائی ہیں اور اس غرض کیلیے لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ کے نام سے مستقل ادارہ قائم کیا ہے۔ یہ مدرسہ نظامیہ میں استاذ بھی تھے۔ ان کے سامنے محمد تقی عثمانی صاحب جیسوں کی حیثیت طفلِ مکتب کی بھی نہیں ہے۔

احد الاعیان یعنی یہ نمایاں اور سربرآوردہ رواۃِ حدیث میں سے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے اسماعیل[1]، امام سفیان ثوری، اصحاب سُننِ اربعہ، ابن المبارک اور خلقِ کثیر نے روایت کی ہے۔ اب ایک طرف ان ائمۂ حدیث و فقہ کو دیکھیے اور دوسری طرف علم و فن کے ان اجارہ داروں کو دیکھیے جو بلا تکلف ہر راوی کے بارے میں لکھ دیتے ہیں کہ اس کے پیچھے تو تالیاں پیٹی جاتی تھیں اور اس کے پاس جو بھی جاتا تھا وہ بہت جھوٹ لکھ کر لاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان مدعیانِ علم نے اپنے سوا ہر دوسرے شخص کو جاہلِ مطلق سمجھ رکھا ہے۔

اب اس راوی رِشدین کا بھی یہی حال ہے کہ اسے محض اس لیے رگیدا جا رہا ہے کہ اس کی روایت مَیں نے مولانا مودودی کی ضمنی تائید میں پیش کر دی ہے اور رگیدنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ اس طرح کے اقوالِ جرح تو چھانٹ کر امام ابوحنیفہؒ کے خلاف بھی بہت سے پیش کیے جا سکتے ہیں، اور کیے جاتے ہیں۔ مفتی صاحبان کو چاہیے کہ وہ ہر بات کو پہلے اچھی طرح تولیں، پھر بولیں۔ امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں امام ابوحنیفہؒ کے متعلق کہتے ہیں: کانوا سکتوا عن رأیہ وعن حدیثہ۔ تاریخ صغیر میں اس سے بھی سخت تر الفاظ ہیں۔ مسند احمد، صحاحِ ستہ حتیٰ کہ سُننِ دارمی میں امام ابوحنیفہؒ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی گئی۔ تو کیا اس بنا پر وہ متروک و مجہول شمار کیے جائیں گے؟ رجال کی کتابوں میں سے کسی راوی کے متعلق جرح نکال کر دیکھ لینا اور بس فقط اس کی بنا پر کسی روایت کو رد کر دینا علمِ حدیث کا محض سطحی مطالعہ کرنے والوں کا کام ہے۔ جرح و تعدیل کی کتابوں میں کم ہی راوی ایسے ملیں گے جن کی سب نے تعدیل کی ہو، ورنہ بیشتر پر کسی نہ کسی نے جرح کی ہے، مگر اس کے باوجود کبارِ محدثین نے ان مجروحین کی احادیث نہ صرف یہ کہ اپنی کتابوں میں لی ہیں، بلکہ محدثین و فقہاء اپنے مسلک کی تائید میں جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، ان میں سے بکثرت ایسی ہیں جن کے راوی کسی نہ کسی کے نزدیک مجروح ہیں۔

مَیں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی جس حدیث کا حوالہ مُستدرک سے دیا ہے، اس کے ساتھ مفتی محمد حسن صاحب نے مستدرک کی اسی مضمون کی بعض دوسری روایات میں بھی انقطاع اور ایک مجہول راوی کی نشان دہی فرمائی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ جن روایات کو مَیں نے خود ہی قابلِ نقل نہیں سمجھا، ان پر نام فرسائی کی کیا حاجت تھی۔ تاہم مفتی صاحب موصوف سے یہ امر تو مخفی نہ ہوگا کہ کسی روایت کی کسی ایک سند میں کلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا متن ضرور غیر صحیح یا موضوع ہو۔ عین ممکن ہے کہ یہ متن یا اس کے توابع و شواہد دوسری اسنادِ صحیحہ سے مروی ہوں۔ امام ابن جوزی نے اسی طرح بعض احادیث جن میں

[1] اسماعیل سے امام بخاری نے صحیح میں حدیث لی ہے اور یحییٰ بن معین و احمد بن سلیمان جیسے محدثین ان کے شاگرد ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے سلام لانے کی روایت ان سے بیان کرتے ہیں (کتاب: الجمع بین رجال الصحیحین، امام ابن طاہر المقدسی ص ۲۰)۔

صحاح بلکہ صحیحین کی احادیث بھی ہیں) پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا اور محض اس بنا پر لگا دیا کہ جو سند ان کے سامنے تھی اس کے راوی مجروح تھے۔ اب یہی صورت یہاں درپیش ہے کہ یہ لعنت والا مضمون متعدد احادیث میں مذکور ہے جن میں سے سردست میں مسند احمد کی ایک حدیث نقل کرتا ہوں جو مسند عبداللہ بن زبیرؓ میں مروی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

امام احمدؒ اور دیگر ائمہ کی احادیث | حدثنا عبد الرزاق أنا ابن عُيَينة عن اسماعيل بن ابی خالد عن الشعبی قال سمعت عبد الله بن الزبیر وھو مستند الی الکعبۃ و ھو یقول ورب ھذہ الکعبۃ لقد لعن رسول الله صلی الله علیہ وسلم فلانا و ما ولد من صلبہ (ہم سے عبدالرزاق نے، ان سے ابن عُیَینہ نے، ان سے اسماعیل نے اور ان سے شعبی نے حدیث بیان کی کہ میں نے عبداللہ ابن زبیرؓ کو خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس کعبے کے رب کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں اور اس کے صلبی بیٹے پر لعنت کی ہے)۔

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے جب یہ حدیث بیان کی ہوگی تو اس میں اس شخص اور اس کے لڑکے کی ضرور تصریح فرمائی ہوگی جس پر آنحضورؐ نے لعنت فرمائی تھی، ورنہ ارشادِ نبوی بالکل مبہم اور غیر واضح رہتا لیکن راویانِ حدیث کا یہ طریقہ ہے کہ کسی فردِ متعین کا ذکر جب بار بار ایک ہی مفہوم پر مشتمل احادیث میں آتا ہو تو بعض اوقات وہ نام کو حذف کر کے فقط فلاں کا لفظ کہہ دیتے ہیں کیونکہ کہنے والے اور سننے والے خوب جانتے ہوتے ہیں کہ یہاں کون شخص مراد ہے۔ اس حدیث میں بھی جس باپ بیٹے کا ذکر ہے وہ حکم اور مروان کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کوئی اور باپ بیٹا ایسا احادیث میں مذکور ہی نہیں جو موردِ لعنتِ نبوی ہوا ہو۔ اب اگر مولانا ولی حسن صاحب پسند کریں تو مسند احمد کی اس حدیث اور اس کے رُواۃ پر بھی طبع آزمائی فرمائیں مگر اس وادی میں قدم رکھتے ہوئے یہ بھی یاد رکھیں کہ امام احمد بن حنبلؒ بالاجماع اعرف بالحدیث ہیں اور ان کے مُسند کی جن مرویات پر تنقید کی بھی گئی ہے، ان میں سے ایک ایک کا دفاع حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے محدثین نے کر دیا ہے۔ اس لیے محض کتب رجال کے چند اقوال کے بل پر کچھ کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا۔ اس معاملے میں بھی آپ کو تنگ دلی نہیں بلکہ چار و ناچار وہ فراخدلی ہی دکھانی پڑے گی جس کا طعنہ آپ محمد تقی صاحب عثمانی کو دے رہے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ احقاف کے تحت ایک حدیث ہے جس میں بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے جب مروان کو مدینے کا عامل بنایا تو اس نے بیعتِ یزید پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے خطبہ دیا۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے ٹوکا تو مروان نے کہا کہ پکڑو اسے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے گھر میں پناہ لی۔ مروان نے وہاں جا کر کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے متعلق قرآن میں ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ أُفٍّ لَّكُمَا... حضرت عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں کے متعلق قرآن میں کچھ نہیں اترا سوائے اس کے کہ اللہ نے میری براءت نازل فرمائی۔ بخاری میں تو اتنا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے، لیکن سورۂ احقاف کے اس مقام کی تفسیر میں اور اس حدیث کی تشریح میں اکثر مفسرین و محدثین نے لکھا ہے کہ مروان کی اس غلط بیانی کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہؓ نے مروان کو یہ بھی یاد دلایا تھا کہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ مثال کے طور پر تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن ابی حاتم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ مروان سے حضرت عبدالرحمٰن نے کہا تھا:

"الست ابن اللعین الذی لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک"؟

(کیا تو لعین کا بیٹا نہیں ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے؟)

پھر حافظ ابن کثیر امام نسائی کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مروان کی الزام تراشی کے جواب میں فرمایا: "مروان جھوٹ کہتا ہے"۔ مزید فرمایا: "ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن ابا مروان ومروان فی صلبه فمروان فضض من لعنة اللہ (بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت فرمائی جبکہ مروان باپ کے صلب میں تھا، پس مروان اللہ کی لعنت میں حصہ دار ہے)۔

بخاری کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی نے محدث الاسماعیلی سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ کا یہی قول نقل کیا ہے کہ: "لکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اباح مروان ومروان فی صلبه فمروان فضض ای قطعة من لعنة اللہ عز وجل۔ پھر حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے محدث ابو یعلی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جب مروان اور حضرت ابن ابی بکرؓ کے مابین تکرار ہوئی اور مروان نے حضرت عبدالرحمٰن پر جھوٹا اتہام عائد کیا تو انہوں نے

فرمایا: اَلَسْتَ ابن اللعین الذی لعنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسماعیلی کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ:

ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اباہ مروان وھو مروان فی صلبہ۔

امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء ایک مشہور و متداول کتاب ہے جو مدتہائے دراز سے درسِ نظامی کا جزو رہی ہے۔ یہ دراصل امام ذہبی کی تاریخ کا ایک جامع خلاصہ ہے۔ اس میں بھی حضرت معاویہؓ کے حالات کے آخر میں امام نسائی اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی گئی ہے:

ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اباہ مروان وھو مروان فی صلبہ فمروان فضض من لعنۃ اللہ۔

ان جملہ مفسرین، محدثین اور مؤرخین نے مروان کے لعنت زدہ ہونے پر دلالت کرنے والی یہ ساری احادیث اپنی کتابوں میں بلا تنقید نقل کی ہیں اور ان پر درایۃً یا روایۃً کوئی اعتراض وارد نہیں کیا ہے۔ اس طرح کے متعدد دیگر اقوالِ سلف بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد میں بینات کے مقالہ نویسوں سے پوچھتا ہوں کہ آیا یہ سارے حضرات رافضی اور کذاب ہیں جو اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے برادرِ بزرگوار سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی ہے؟ یا معاذ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن ابی بکرؓ محض مروان کو مطعون کرنے کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط باتیں منسوب کر رہے ہیں؟ کیا سُنی کہلانے اور صحابہ کرام کا احترام کرنے کا مطلب آپ کے نزدیک یہ ہے کہ مروان کی ہر حال میں وکالت و مدافعت کی جائے۔ اپنے سوا ساری دنیا کو رافضی ٹھہرایا جائے اور مروان پر کسی حدیث صحیح کی زد پڑتی ہو تو اس کا بھی انکار کر دیا جائے؟

مولانا شبلیؒ کا قول: مفتی ولی حسن صاحب فرماتے ہیں کہ بنو امیہ کے بارے میں بیشتر روایات و حکایات کارخانہ رفض کی پیداوار ہیں مگر میں مفتی صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ مسند احمد اور صحاح کے مصنفین کا اس کارخانے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہاں البتہ روایات کی بہت سی فیکٹریاں خود بنو امیہ اور بنو عباس کے ہاں بھی چالو تھیں۔ چنانچہ مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

در فنِ تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم

تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوئی ہے جنہوں نے پورے نوّے[1] برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد میں آلِ فاطمہؓ کی توہین کی اور جمعہ میں بر سرِ منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں حدیثیں امیر معاویہؓ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ عین اسی زمانے میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشینِ پیغمبر تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں انہیں ہونا چاہیے تھا۔"

(سیرۃ النبیؐ حصہ اول طبع ہفتم، اعظم گڑھ، ۱۹۶۵ء ص ۶۶)

بہر کیف محدثین رحمہم اللہ کی قبور کو اللہ نور سے معمور فرمائے، انہوں نے نہ صرف روافض و نواصب اور بنو امیہ و بنو عباس کے ان کارخانوں کی مصنوعات کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا، بلکہ انہوں نے ایسی صحیح احادیث کو بھی علانیہ بیان فرمایا جن میں سیئاتِ بنی اُمیّہ کی پیشین گوئی کی گئی تھی اور بنو اُمیّہ ہی کے زمانے میں اپنی جان پر کھیل کر حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کے ان مناقب کی بھی نشر و اشاعت کی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تھے، اور جنہیں لوگوں کے دلوں سے محو کرنے کے لیے حضرت علیؓ اور ان کے گھرانے پر لعنت بھیجی جاتی تھی۔

سرِدست مولانا مفتی ولی حسن صاحب کے تعقبات کے جواب میں گزارشاتِ بالا پر اکتفا کرتے ہوئے اب میں چند باتیں اس "تذییل" کے بارے میں عرض کروں گا جو محترم مولانا محمد ادریس صاحب مدیر "بینات" نے رقم فرمائی ہیں۔ سب سے پہلے مجھے مروان کے متعلق ان کے درجِ ذیل ارشاد پر اپنی گزارش پیش کرنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

"اگر مروان کا باپ اور اس کی ساری نسل — بقول ملک صاحب — ملعون علیٰ لسانِ نبوت تھی تو ملک صاحب اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ معاذ اللہ اسی ملعون کے صلبی لڑکے عبدالعزیز کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خاندان نے حضرت عمرؓ کی پوتی بیاہ دی اور

[1] نوّے سال یوں بنتے ہیں کہ ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ خلیفہ بنے اور ۱۳۲ھ میں جا کر ابو العباس سفاح نے اموی خلافت کا خاتمہ کر کے عباسی سلطنت کی بنا ڈالی۔ اس پورے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن ولید کے مختصر عہد کو چھوڑ کر حضرت علیؓ و بنو فاطمہ پر بر سرِ منبر لعنت کی جاتی رہی۔

اسی کے بطن سے عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم پیدا ہوئے جنہیں مولانا مودودی خلیفۂ راشد تسلیم کرتے ہوں گے۔ کیا فاروقی گھرانے کو اس ملعونیتِ عامہ کا انکشاف نہیں ہوا تھا؟

بے بنیاد اتہام مولانا موصوف نے میری عبارت پر یہ اعتراض و اشکال وارد کرتے ہوئے ترجمان القرآن، مئی ۱۹۸۶ء کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن میں نے اس ماہ کے ترجمان میں کہیں بھی یہ بات نہیں لکھی کہ مروان کا باپ اور اس کی ساری نسل "ملعون علی لسانِ نبوت تھی"۔ میں نے اس پرچے میں ایک جگہ صرف "مروان کا ملعون علی لسانِ نبوت ہونا" بیان کیا ہے (ص ۱۹) اور اگلے صفحے پر بھی صرف مروان کو لعنت زدہ لکھا ہے۔ اس سے اگلے صفحے پر بھی ایک جگہ مروان اور دوسری جگہ "مروانیوں کی معنوی ذریت" کے الفاظ میرے قلم سے نکلے ہیں۔ یہاں مروانیوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے گفتار و کردار میں مروان اور اس کے باپ سے ملتے جلتے ہیں۔ اس سے مراد ہرگز ساری نسلِ مروان نہیں ہے۔ میرے الفاظ "معنوی ذریت" میرے مدعا پر شہادت و دلالت کے لیے کافی ہیں۔ ترجمان کے مئی کے اس شمارے کے علاوہ بھی، جہاں تک مجھے یاد ہے اور جہاں تک میں اپنی پوری بحث کی ورق گردانی کر سکا ہوں، میں نے یہ بات کہیں بھی نہیں لکھی کہ مروان یا اس کے باپ کی "ساری نسل" ملعون علی لسان نبوت تھی۔ تاہم میں مولانا محمد ادریس صاحب اور جملہ حضرات قارئین کے سامنے یہ بات نہایت صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیے دیتا ہوں کہ اگر کبھی میں نے ایسی بات کہی ہو یا میری کسی بات سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہو کہ میں خدانخواستہ مروان کی تاقیامت پوری پیچھے تک کی نسل کو اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مستحق سمجھتا ہوں تو میں اس سے عنداللہ قطعی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اس خیالِ باطل سے کہ عمر ثانیؒ، پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو (معاذاللہ) اس لعنت کا مصداق سمجھوں جو احادیثِ مذکورہ میں وارد ہے۔ میں تو ترجمان جلد ۰۷، عدد ۶ میں خلافت و ملوکیت پر بحث کرتے ہوئے حضرت نعمانؓ بن بشیر کی ایک حدیث نقل کر چکا ہوں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خونخوار ملوکیت اور جبر و استبداد کی حکومت کے بعد دوبارہ خلافت علی منہاجِ نبوت کے قیام کی خوشخبری دی ہے اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ اس حدیث کے ایک راوی حبیب بن سالم جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہم عصر تھے، انہوں نے بطور تبشیر و تذکیر یہ حدیث حضرت ابن عبدالعزیز کو لکھ بھیجی تھی اور ساتھ تحریر کیا تھا کہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ہی وہ امیرالمومنین ہوں گے جو از سرِ نو خلافت علی منہاج النبوۃ کا احیاء کریں گے اور حضرت عمرؒ اس پر بڑے

مسرور و شادماں ہوتے۔ یہ بات بھی میں اپنے سلسلۂ مضامین میں واضح کر چکا ہوں کہ حضرت عمرؒ ثانی ہی نے بنو امیّہ اور مروان کی متعدد بدعات و سیّئات کا خاتمہ کیا۔ مثلاً فدک کو مروان نے اپنی ذاتی جاگیر بنا لیا تھا اور اس کا ورثہ حضرت عمرؒ تک بھی پہنچا مگر آپ نے اسے دوبارہ بیاسنی املاک میں شامل کیا، منبروں پر لعن طعن کا خاتمہ آپ ہی نے کیا۔ اس کے بعد مجھ پر یہ بہتان کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ میں حکم اور مروان کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی خدانخواستہ ملعون سمجھتا ہوں؟

حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث میں حکم کے ساتھ جو ما ولد کے الفاظ ہیں، ان سے مراد میرے نزدیک حکم کا بیٹا مروان یا پھر حکم اور مروان کی وہ اولاد ہے جو اپنے اوصاف و اخلاق میں اس باپ بیٹے سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں حکم یا مروان کی ساری اولاد شامل نہیں ہے۔ حکم اپنے ان افعال کی وجہ سے لعنت کا مستحق ہوا جو اس سے حضورِ نبوتؐ میں سرزد ہوئے اور جن کی وجہ سے اُسے اور اس کے ساتھ مروان کو مدینہ بدر ہونا پڑا اور مروان اپنے ان افعالِ شنیعہ کی وجہ سے اس کا مستحق بنا جو عہدِ نبوی کے بعد اس سے صادر ہوئے اور جن کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی دی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب مروان اور اس کا والد اپنے افعال ہی کی بنا پر موردِ لعنت بنا، تو پھر مروان اور حکم کی ساری اولاد کس طرح ملعون قرار پا سکتی ہے۔ حکم کے بیس بیٹے تھے جن میں سے ایک مروان تھا اور مروان کے بھی آگے بارہ بیٹے تھے۔ یہ سب عادات و خصائل میں اپنے باپ کے مشابہ نہ تھے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان سب پر وعیدِ نبوی کو چسپاں کیا جائے۔ حکم کا ایک بیٹا اور مروان کا بھائی عبدالرحمٰن بن حکم بھی تو تھا جس کے متعلق علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں کان لا یری رأی صاحبہ (اس کے خیالات و نظریات مروان سے مختلف تھے)۔ اب آخر کیا وجہ ہے کہ میں عبدالرحمٰن کو بھی ملعون سمجھوں۔ میرے خلاف اور میری پیش کردہ احادیث کے خلاف "بیّنات" کا یہ اعتراض اسی طرح کا ہے جس طرح بنو امیّہ کے بعض دوسرے حامی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے خلاف کرتے ہیں جو بنو امیّہ اور بنو مروان کی مذمت میں دیگر احادیث میں وارد ہیں اور دلیل یہی دی جاتی ہے کہ ان کی زد حضرت عثمانؓ اور عمر بن عبدالعزیز پر پڑتی ہے، حالانکہ ان میں سے متعدد احادیث کی سند بالکل صحیح ہے اور محدثین و شارحین نے ان سے حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عبدالعزیز کو خارج و مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ بہرکیف جس پر اللہ اور اس کے رسول نے اس کے کرتوتوں کی بنا پر لعنت کی ہو، مجھے اُسے ملعون علی لسانِ نبوت سمجھنے یا کہنے میں کوئی تردّد نہیں ہے۔ یہ چیز کسی پر

شاق گزرتی ہے تو گزرتی رہے۔

مولانا محمد ادریس صاحب مجھ سے اس بات پر خفا ہیں کہ میں نے "غریب مروان کو خوب پیٹ بھر کر صلواتیں سنائی ہیں اور میری تحریر منہ بول کر کہہ رہی ہے کہ یہ سُنّی کے قلم کی تراوش نہیں بلکہ کسی جلے کٹے رافضی کی تخلیق ہے۔" پھر فرماتے ہیں "انہیں ذوقِ مودودیت کی وکالت کے بنیادی حق سے کون روک سکتا ہے تاہم وہ یہ نہ بھولیں کہ مروان کو اکثر محدثین صغارِ صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں اجلّہ تابعین کے علاوہ جلیل القدر صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ امام بخاری مروان کی احادیث روایت کرتے ہیں، امام مالک نے مؤطا میں ان کے فتاویٰ اور فیصلوں کو بطورِ حجت نقل کیا ہے۔ اگر مروان اسی قماش کا آدمی تھا جیسا کہ رافضی افسانوں کے سہارے محترم ملک صاحب باور کرانا چاہتے ہیں تو وہ بتائیں کہ اس صورت میں ان کے عطا کردہ خطابات کا مستحق کیا صرف مروان رہ جاتا ہے اور کیا صحابہ و تابعین وغیرہ اس کی لپیٹ میں نہیں آجاتے؟"

مالکؒ و بخاریؒ کی روایتِ مروان جناب مولانا محمد ادریس صاحب نے اپنے قلم سے جو لولوئے لالا بہا داور آگے چل کر بکھیرے ہیں ان پر پورے دلآنشگاف انداز میں کچھ عرض کرنا تو شاید سوءِ ادب ہو لیکن میں کیا یہ دریافت کرسکتا ہوں کہ جب مروان کو "اکثر محدثین" صغارِ صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور امام بخاری کے اس سے روایت بیان کرنے کی بنا پر مروان کی جلالتِ قدر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر آپ "غریب مروان" اور "اس قماش کا آدمی" کہہ کر کیوں "توہینِ صحابہ" کا ارتکاب فرما رہے ہیں۔ یہ الفاظ بھی تو کسی سُنّی کے قلم سے نہیں ٹپکنے چاہییں، آپ کی زبان قلم کو تو رافضی افسانوں سے کوئی اثر قبول نہیں کرنا چاہیے اور بعض دوسرے "سُنّیوں" کی طرح جب بھی مروان کا ذکرِ خیر ہو، تو آپ کو بھی حضرت مروان رضی اللہ عنہ رقم فرمانا چاہیے۔ یہ نیمے دروں نیمے بیروں کی پالیسی آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ مروان کے صحابی یا غیر صحابی ہونے کے مسئلے پر میں انشاء اللہ کبھی تفصیل سے لکھوں گا، البتہ روایتِ حدیث کے معاملے میں حقیقتِ حال اور صحیح موقف وہی ہے جو میں پہلے عدالتِ صحابہ و عدالتِ رواۃ کی بحث میں بیان کر چکا ہوں۔ جو راوی بھی صادق القول فی روایت الحدیث ہے وہ خواہ مبتدع ہو، مرتکب کبیرہ ہو، اس کی روایت بلا تامل لی جاسکتی ہے اور لی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی مروان سے روایت اسی بنا پر اخذ کی گئی ہے۔ اس سے مروان کی صحابیت و جلالت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا، امام بخاریؒ نے بالعموم مروان

کی روایت حضرت مسورؓ بن مخرمہ کو ساتھ مقرون وملحق کر کے لی ہے۔ تاہم اُس سے تنہا کوئی روایت مَری ہو تو وہ بھی قابلِ قبول ہے کیونکہ امام بخاریؒ کے نزدیک حضرت عروہ بن زبیرؓ کے قول کے مطابق مروان متہم فی الحدیث نہیں تھا۔ اس کے متعلق حافظ ابنِ حجرؒ کی تصریح درجِ ذیل ہے، جسے انہوں نے ہدی الساری الفصل التاسع، میں مجروح راویوں پر بحث کرتے ہوئے مروان کے زیرِ عنوان دیا ہے:

فانما حمل عنه سهل بن سعد وعروة وعلى بن الحسين وابو بكر بن عبد الرحمٰن بن الحرث وهؤلاء اخرج البخاري احاديثهم عنه في صحيحه لما كان اميراً عندهم بالمدينة قبل ان يبدو منه في الخلاف على ابن الزبير ما بدا (مروان سے حضرت سہل بن سعد، عروہ، علی بن حسین اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن نے جو حدیث لی ہے اور ان کی تخریج امام بخاری نے صحیح میں کی ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ان اصحاب کی موجودگی میں امیرِ مدینہ تھا اور جب تک اس سے حضرت ابن زبیرؓ کی مخالفت کا صُدور نہیں ہوا تھا)۔

ابن حجرؒ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان مذکورہ بالا حضرات نے مروان سے اس وقت تک روایت اخذ کی ہے، جب تک اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلے میں اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے اپنی تلوار نیام سے نہیں نکالی تھی اور اسی زمانے کی مرویاتِ مروان کو امام بخاری نے صحیح میں لیا ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ تحدید وتخصیص کچھ زیادہ مفید نہیں ہے کیونکہ مروان کے کارنامے پہلے بھی کچھ کم نہ تھے۔ صحیح تر بات یہی ہے کہ مروان کی ساری زیادتیوں کے باوجود جب اس سے کذب فی الحدیث کا ثبوت نہیں ملتا تو اس کی روایت بلاتامل لی گئی ہے اور لی جانی چاہیے مگر اس سے اس کے معائب ومثالب کالعدم نہیں ہو جاتے۔ باقی رہی یہ بات کہ امام مالکؒ نے مروان کے فقہی فتاوی اور فیصلوں کو بطورِ حجت پیش کیا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلے دراصل مدینۃ النبیؐ کے مکین اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجماعی عمل پر مبنی تھے جس کی خلاف ورزی مدینہ میں رہتے ہوئے آسان نہ تھی۔ اس کے باوجود مروان نے متعدد بدعات ومحدثات کو رائج کرنے کی کوشش کی جن کی تصویب نہ امام مالکؒ یا کسی دوسرے محدث وفقیہ نے کی اور نہ جن پر عمل کرنے کی جرأت آج مدبر تبیانات یا کسی دوسرے شخص کو ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر عیدین کے لیے خطبہ نماز سے پہلے دینا

اور اس کے لیے منبر کا اہتمام کرنا۔ آخر ان "مروانی فیصلوں" کو اُمّتِ مُسلمہ میں کس نے اُس وقت سے لے کر آج تک "حجّت" مانا ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطّا میں آنحضورؐ اور خلفائے راشدین کی سُنّت بیان کی ہے کہ وہ خطبۂ عیدین نماز کے بعد پڑھتے تھے مگر مروان کی "سُنّت" کا ذکر نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوّی میں تقریباً ساٹھ اَجلّہ شیوخِ مالکؒ کو نام بنام بیان کیا ہے مگر مروان کا نام مجھے ان میں کہیں نظر نہیں آیا، بلکہ امام ابن حزم نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مالکیہ کا عملِ اہلِ مدینہ کو بطورِ حجّت پیش کرنا بے کار ہے، کیونکہ وہاں مروان ہی کے زمانے سے تغیّرِ سُنن کا آغاز ہو گیا تھا[1]۔

صحیح بخاری، ابواب العیدین، باب الخروج الی المصلی بغیر منبر اور دوسری کتبِ حدیث میں تصریح ہے کہ مروان نے جو منبر نمازِ عید کے لیے خاص طور پر بنوایا تھا جب وہ اس پر نمازِ عید سے پہلے ہی چڑھنے لگا تو حضرت ابوسعید خدریؓ نے اس کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا مگر مروان دامن چھڑا کر منبر پر براجمان ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں:

فقلت له غیّرتم واللہ فقال ابا سعید قد ذهب ما تعلم فقلت ما اعلم واللہ خیر مما لا اعلم۔

(میں نے مروان سے کہا خدا کی قسم تم نے (امرِ شریعت میں) تغیّر و تبدّل کر دیا۔ تو مروان کہنے لگا، ابوسعید جو کچھ تم جانتے ہو، اس کا دور گزر چکا۔ میں نے (حضرت ابوسعیدؓ نے) جواب دیا: خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا)۔

اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ تو مروان کو اس پر ٹوک رہے ہیں کہ تو نے احکامِ شریعت میں تبدیلی کر کے خطبے کو نمازِ عید پر مقدم کر دیا اور مروان اس خلاف ورزیِ سُنّت پر نادم ہونے کے بجائے کہہ رہا ہے کہ ابوسعید جس علم کا مظاہرہ تم کر رہے ہو، وہ تو قصۂ ماضی اور داستانِ پارینہ ہے۔ کیا "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کی مثال اس سے موزوں تر کوئی اور ہو سکتی ہے:

کوئی صاحب اگر ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم محض طعنۂ "رفض" اور "الزام" توہینِ صحابہؓ" سے بچنے کے لیے ترکِ سُنّت، مخالفتِ شریعت کی بھی داد دے سکیں گے تو یہ بہت مشکل ہے۔ "تعظیمِ صحابہؓ" کی آخر یہ کونسی قسم ہے کہ جس شخص کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پیش کی جاتی ہے اور وہ جواب میں

---

[1] الاحکام لابن حزم ص ۲۲۴ مطبعۃ العاصمہ، قاہرہ۔

کہتا ہے کہ اس کا دور اب لد گیا ہم ایسے شخص کی تعلیم و تکریم کریں۔ اگر ایسے شخص کے خلاف لب کشائی جائز نہیں تو فضل الرحمٰن اور پرویز صاحب کے خلاف زبان کھولنا کیسے جائز ہے؟

دیوبندی اکابر کا مسلک | پھر مولانا محمد ادریس صاحب فرماتے ہیں جہاں تک ہمارے اور ہمارے اکابر کے مسلک کا تعلق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم مروان کے بارے میں افراط و تفریط دونوں کو مناسب نہیں سمجھتے جس شخصیت کے مناقب و مثالب دونوں تاریخ کے ریکارڈ پر موجود ہوں۔ اگر اس کی مدح و ثنا کو آپ کا جی نہیں چاہتا تو نہ کیجیے۔ مگر اس کے حق میں لعن طعن کی زبان بھی مت کھولیے۔ اس کے ماحول کے الجھے ہوئے حالات سے بھی آنکھیں بند نہ کیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مُردوں کو بُرا بھلا مت کہو۔ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا، وہ اُسے پا چکے ہیں: اس کے جواب میں میری گزارش یہ ہے کہ مجھے تو مروان یا کسی دوسرے فردِ متعین کے حق میں لعن طعن کی زبان کھولنے سے خاص شغف نہیں ہے لیکن کیا مجھے اس بات کا بھی حق نہیں پہنچتا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وہ ارشاد بھی بیان کروں جس میں کسی شخص پر لعنت کا ذکر ہو۔ بلاشبہ آنحضورؐ نے مُردوں بلکہ زندوں کو بھی بلاوجہ بُرا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے، لیکن دوسری طرف قرآن و حدیث ہی میں ایسی مستثنیٰ مثالیں موجود ہیں جن میں بعض افراد پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت مذکور ہے۔ پھر مولانا موصوف نے اپنے جن اکابر کے مسلک کی ترجمانی فرمائی ہے معلوم نہیں اس فہرست میں کون کون بزرگ شامل ہیں اور ان کا افراط و تفریط سے مبرا مسلک کس مقام پر بیان ہوا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدثؒ دہلوی یقیناً ان اکابر میں شامل ہوں گے جنہوں نے رفض و تشیّع کے رد میں ایک مبسوط کتاب تحفہ اثنا عشریہ لکھی ہے، اُن سے درج ذیل سوال و جواب فتاویٰ عزیزی میں منقول ہے:

> "سوال ۔ مروان کو بُرا کہنے کے بارے میں اہلِ سُنّت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟
>
> جواب ۔ اہل بیت کی محبت فرائضِ ایمان سے ہے نہ کہ لوازمِ سُنّت۔ اور محبتِ اہلِ بیت سے ہے کہ مروان علیہ اللعنہ کو بُرا کہنا چاہیے اور اس سے دل سے بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین اور اہلِ بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے" (فتاویٰ عزیزی ص ۲۲۵، باہتمام حاجی محمد ذکی، ناشر سعید کمپنی۔

ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی، ۱۳۸۷ھ)

علمائے دیوبند کے استاذ الاساتذہ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری، بخاری، کتاب الفتن، حدیث: هلکة امتی علی یدی غلمة من قریش کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قد وردت احادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد اخرجہا الطبرانی وغیرہ

(احادیث میں حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت وارد ہے۔ طبرانی اور دوسرے محدثین نے انکی تخریج کی ہے)

اس کے بعد دیوبند کے شیخ المشائخ مولانا محمود الحسن صاحب کا درج ذیل قول ملاحظہ ہو جو سنن ترمذی، صلوٰۃ عیدین کی تقریر میں منقول ہے:

یقال ان اول من خطب قبل الصلوٰۃ فی العیدین مروان بن الحکم۔ کان مروان بن الحکم ظالما فحاشا مستبدا عن سنة علیہ السلام وکان یسب الناس فی المجامع مثل الجمعة والاعیاد والناس کانوا لاینتظرون بعد الصلوٰۃ الی الخطبة لسبّہ فی اثناء الخطبة فقدم الخطبة علی الصلوٰۃ لئلا ینتشر الناس وکانوا ینتظرون للصلوٰۃ لامحالة۔

(کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے نماز عیدین سے قبل خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان بے حد برے درجے کا ظالم اور سنت نبوی کو پیٹھ دکھانے والا اور اس سے منہ موڑنے والا تھا اور لوگوں پر جمعے اور عیدین کے مجمع ہائے عام میں سب وشتم کرتا تھا اور لوگ اس سب وشتم کی وجہ سے نماز عید کے بعد اس کے خطبے کا انتظار کیے بغیر چلے جاتے تھے۔ اسی لیے اس نے نماز پر خطبے کو مقدم کیا تاکہ لوگ منتشر نہ ہوسکیں کیونکہ ان کے لیے نماز کا انتظار ناگزیر تھا)۔

(التقریر للترمذی، مولانا محمود الحسن مکتبہ رحیمیہ دیوبند، ۱۳۷۱ھ ص ۱۹)

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کے افادات ترمذی جو مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے "الکوکب الدری" کے زیر عنوان جمع کرکے چھپوائے ہیں، ان میں اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اوّل من خطب قبل الصلوٰۃ مروان بنیّة فاسدة۔ فکان یعرض فی خطبتہ باھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویسیئ الادب بھم فلما رأی الناس ذالک وان لیس لھم صبر علی

استماع اذا هم رضی اللہ عنہم جعلوا یذهبون اذا فرغوا من الصلوٰة فقدم مروان الخطبة لیلجئهم الی سماعها فکان فعله ذالك خبثا ظاهرًا فانکروا علیه (مروان نے سب سے پہلے بُری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز پر مقدم کیا۔ وہ اپنے خطبے میں اہل بیت النبیؐ پر طعن و تعریض کرتا تھا اور ان کے حق میں بے ادبی کرتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا اور وہ اہل بیت کی اس ایذا رسانی پر صبر نہ کرسکے تو وہ نماز کے بعد چلے جاتے تھے۔ تب مروان نے خطبہ مقدم کیا تاکہ لوگوں کو مجبور کرکے ایسا خطبہ سنائے۔ پس اس کا یہ فعل خبث کا مظاہرہ تھا جس پر لوگوں نے اظہارِ نفرت کیا)۔

یہ بات بخاری، صلوٰۃ العیدین کی اس حدیث میں بھی مذکور ہے جس کا کچھ حصّہ میں پہلے نقل کرآیا ہوں کہ مروان نے خود حضرت ابوسعیدؓ سے کہا کہ لوگ نماز عید کے بعد ہمارے لیے بیٹھتے ہی نہیں، اس لیے خطبہ کو مقدم کرنا پڑا[1]۔ اب جو لوگ مروان کو صغارِ صحابہ میں شمار کرکے اس کے مناقب بیان کرتے ہیں، انہیں خدارا کچھ تو سوچنا چاہیے اور سوچ کر اس سوال کا جواب دینا چاہیے کہ آخر سب مسلمان اس صغیر صحابی کا خطبۂ عید سننے سے کیوں اتنا دُور بھاگتے تھے حالانکہ خطبہ سُننا مسنون اور ایک طرح سے نماز کا حصہ ہے؟ مولانا محمد ادریس صاحب اپنے اکابر کا جو مسلک بیان فرما رہے ہیں، اس بیان کردہ مسلک کی روشنی میں وہ ان اکابر کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جن کے اقوال میں نے ابھی درج کیے ہیں؟ دیوبندی مسلک کے اصل ترجمان یہ حضرات ہیں یا آپ ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ تم مروان کے کارناموں اور اس کے ماحول کے اُلجھے ہوئے حالات سے بھی آنکھیں بند نہ کرو۔ اس نصیحت کے ہم شکر گزار ہیں مگر آپ بھی مروان کے اُن کارناموں سے چشم پوشی نہ فرمائیں جنہوں نے اس ماحول کے حالات کو الجھانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں اور امام ذہبیؒ کا حوالہ دیتے ہیں کہ خدا سے بغض رکھنے والوں نے، جن کا اوڑھنا بچھونا کذب و نفاق تھا، انہوں نے طوفانِ بدتمیزی سے طومار تیار کیے اور آپ کو شاید معلوم نہیں کہ خود امام ذہبیؒ نے مروان کے بارے میں اپنی متعدد تصانیف میں کیا کچھ لکھا ہے؟ مگر محدثین نے جو کچھ مروان کے متعلق فرمایا ہے اس کے بیان کا اصل موقع اس وقت آئے گا جب کبھی میں ان شاء اللہ حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب پر تبصرہ کرنے کا سرِدست میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تاہم آپ نے جو باصرار اس امر کا اعلان کیا کہ ہمارے بزرگوں کا تدفن یہی ہے کہ وہ مروان پر زبانِ لعن دراز نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں آپ کے

[1] مروان اور حضرت ابوسعیدؓ کا یہ واقعہ معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں بھی وارد ہے۔

بزرگوں کے چند اقوال نمونۃً پیش کر دیئے گئے جنہوں نے "مروان پر زبانِ طعن دراز" کی ہے۔

عجیب و غریب مغالطہ | مولانا محمد ادریس صاحب نے آخر میں ایک حیرت انگیز بات ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں "ملک صاحب کو غالباً کسی دار الحدیث میں کتبِ حدیث کی سماعت کا اتفاق ہوا ہوگا اور طلبۂ حدیث کی اس عادت کا بھی علم ہوگا کہ وہ ہر حدیث کی سند پڑھنے کے بعد متنِ حدیث شروع کرنے سے پہلے صحابی کے نام پر رضی اللہ عنہ و عنہم کہنے کا التزام کرتے ہیں۔ اب بخاری شریف کی قراءت کرتے ہوئے جہاں مروان بن الحکم کے نام پر سند ختم ہو جاتی ہے، وہاں ملک صاحب رضی اللہ عنہما کہنے کا فتوے دیں گے یا معاذ اللہ لعنۃ اللہ علیہم کا؟ بینوا توجروا"۔ اس صریح اشتعال آمیز اور مغالطہ خیز عبارت کو بغور پڑھنے کے باوجود میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کا منشا و مدعا کیا ہے اور اس کی بنا کیا ہے؟ اگر مولانا محمد ادریس صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ امام بخاری نے مروان یا حکم کو صحابی قرار دیتے ہوئے ان سے کوئی مرفوع و متصل حدیث براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح بخاری شریف میں تخریج کی ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح میں ایسی کوئی حدیث نہیں لی ہے۔ نہ وہ ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ اپنی تاریخ میں ان کا قاعدہ ہے کہ وہ بالعموم صحابی کے ساتھ لہ صحبۃٌ وغیرہ کے الفاظ درج کرتے ہیں یا کوئی ایسی حدیث نقل کرتے ہیں جو ان صحابی نے بلا واسطہ آنحضورؐ سے روایت کی ہو لیکن تاریخ کبیر ج ۴ ص ۳۶۸ (دائرۃ المعارف) میں مروان کے ترجمے میں ایسی کوئی تصریح نہیں، بلکہ صرف یہ ہے کہ سمع عثمان بن عفان و لبسرۃ (یعنی مروان نے حضرت عثمانؓ و بسرہؓ سے روایت سنی ہے)۔

امام ذہبیؒ لسان المیزان میں مروان کے ترجمے میں صاف فرماتے ہیں: قال البخاری: لم یر النبی صلی اللہ

لہ محمد تقی صاحب نے اس حقیقت سے انکار کرنے پر بڑا زور لگایا تھا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنر مروان وغیرہ حضرت علیؓ اور اہلِ بیت پر جمعہ کے خطبوں میں سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے۔ اب وہ مزید میری اس بحث کو بھی دیکھ لیں جس میں مولانا شبلی نعمانی اور دیوبند کے اکابر اس سب و شتم کو بطور ایک واقعہ مسلّمہ کے بیان کر رہے ہیں اور اس کے لیے کسی حوالے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔ متعدد دیگر ائمہ سلف نے (مثلاً امام ابن حزمؒ، امام محمد بن احمد السفارینی الحنبلی اور بے شمار دوسرے بزرگوں نے) اسے اسی طرح بیان کیا ہے اس کے بعد بھی جو شخص کبھی نہ مانوں کی رٹ لگانا چاہے، اُسے کون روک سکتا ہے؟

لہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب میں مروان کے متعلق لکھا ہے لا تثبت لہ صحبۃ (اس کی صحابیت ثابت نہیں)

علیہ وسلم۔ قلت روی عن بسرہ وعن عثمان ولہ اعمال موبقۃ نسأل اللہ السلامۃ رمی طلحۃ بسہم وفعل وفعل :

(بخاری کہتے ہیں: مروان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ اس نے بُسرۃ (بنت صفوان) اور عثمانؓ سے روایت کی ہے اور اس کے اعمال ہلاکت خیز ہیں، ہم اللہ سے سلامتی طلب کرتے ہیں۔ مروان نے حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور بہت سے ناگفتنی افعال کا ارتکاب کیا)۔

طبقات ابن سعد میں حضرت طلحہؓ کے ترجمہ میں پانچ مختلف اسنادسے مروی ہے کہ مروان ہی نے حضرت طلحہؓ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔
امام بخاریؒ کا یہ قول تہذیب التہذیب اور دوسری کتابوں میں بھی منقول ہے۔ مروان کی مذمت میں امام ذہبی کے اس سے شدید تر اقوال بھی موجود ہیں (لم یر النبی [illegible] لم یسمع النبیؐ ولا رآہ (مروان نے حضورؐ سے حدیث سنی نہ آپ کو دیکھا)۔

صحیح بخاری کے جو نسخے متداول ہیں اور جن کی سند امام بخاریؒ تک پہنچتی ہے، ان میں جہاں کسی صحابیؓ تک سلسلۂ اسناد پہنچتا ہے وہاں اکثر و بیشتر صحابی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے الفاظ موجود ہیں۔ کسی ایک جگہ اگر یہ رہ گئے ہیں تو دوسرے مقام پر ان صحابی کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن مروان بن حکم کا نام جہاں بھی آیا ہے، وہاں رضی اللہ عنہ نہیں لکھا گیا ہے۔ مثلاً بخاری، کتاب الشروط کی پہلی ہی حدیث حضرت عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے انہ سمع مروان والمسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما .... اب اس سند میں رضی اللہ عنہما کے متعلق کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں ھُما کا اشارہ مروان اور حضرت مسورؓ کی جانب ہے نہیں، بلکہ اشارہ حضرت مسورؓ اور ان کے والد حضرت مخرمہؓ کی جانب ہے جو دونوں صحابی ہیں اور انہی کو امام بخاریؒ نے رضی اللہ عنہما کہا ہے۔ اگر مروان کو بھی امام بخاریؒ شامل کرتے تو رضی اللہ عنہم کہتے۔ اب یہاں رضی اللہ .. کے الفاظ نہ ہوتے تب بھی ایک بات تھی لیکن امام بخاری صاف طور پر دو صحابیوں کے ساتھ یہ الفاظ لائے ہیں اور مروان کو خارج کر دیا ہے۔ کوئی صاحب اگر مزید اطمینان کرنا چاہیں تو وہ عمدۃ القاری میں اس حدیث کی شرح دیکھ لیں۔ وہاں علامہ عینی حضرت مسورؓ اور حضرت مخرمہؓ کے متعلق لکھتے ہیں لہ ولابیہ صحبۃ (باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں)۔ پھر فرماتے ہیں:

اما مروان فانہ لا یصح لہ سماع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا صحبۃ لانہ

خرج الی الطائف طفلاً لا یعقل لما نفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اباہ الحکم وکان مع ابیہ بالطائف حتی استخلف عثمان فردھما۔

(جہاں تک مروان کا تعلق ہے، اس کی سماعتِ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و ثابت نہیں ہے اور نہ وہ صحابی ہے۔ کیونکہ وہ ایک طفلِ نادان تھا جبکہ اُسے اپنے باپ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینے سے طائف کی طرف جلا وطن کر دیا تھا اور وہ اپنے باپ کے ساتھ طائف ہی میں رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے دونوں کو واپس بلا لیا)۔

صحیح بخاری میں مروان کی دوسری روایات کا بھی یہی معاملہ ہے کہ جہاں مروان کے نام پر ان کی سند کا خاتمہ ہوا ہے وہ سب مُرسَل روایتیں ہیں، یعنی مروان کے بعد کسی صحابی کا نام غیر مذکور ہے جن سے مروان نے روایت کی ہے۔ یہ احادیث مروان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہرگز نہیں سُنی ہیں۔ اب اس کے بعد ہر صاحبِ علم یہ دیکھ سکتا ہے کہ مولانا محمد ادریس صاحب کا یہ سوال کتنا عجیب و غریب ہے کہ "بخاری شریف میں جہاں مروان بن حکم کے نام پر سند ختم ہوتی ہے وہاں ملک صاحب رضی اللہ عنہما کہیں گے یا لعنۃ اللہ . . . کا فتویٰ دیں گے؟" میں نہ مفتی ہوں، نہ مجھے لعنت بھیجنے کا زیادہ ذوق و شوق ہے، مگر بخاری شریف پڑھتے ہوئے میں اس کے مصنف امام بخاری ہی کے طریقے پر عمل کروں گا اور مروان اور حکم کو رضی اللہ عنہما ہرگز نہیں کہوں گا، جبکہ میرے نزدیک وہ صحابی نہیں اور ان پر حدیث میں لعنت بھی وارد ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کونسا "دار الحدیث" ہے یا تھا جس میں بخاری کا درس دیتے ہوئے جہاں ان باپ بیٹوں کا نام آتا ہے، وہاں طلبہ و اساتذہ مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کا اہتمام فرماتے ہیں؟ مولانا موصوف سے درخواست ہے کہ وہ میری اور دوسرے طالبانِ علم کی معلومات میں اضافہ فرمائیں اور ذرا چند ایسے "دار الحدیث" اور ان کے معلّمین و فارغین کے نام بیّنات میں شائع فرما دیں جو قراءتِ بخاری کے دوران میں مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ پھر یہ فعل اس مزعومہ "مسلکِ اکابر" سے کہاں تک موافق ہے جس کی رُو سے اس باپ بیٹے کے لیے نہ رضی اللہ عنہما کہنا روا ہے نہ لعنہما اللہ کہنا۔

مروان کا باپ | بخیر غضب بالائے غضب یہ ہے کہ فاضل مدیر بیّنات مروان کے ساتھ حکم کو بھی شریک کر کے دونوں کے حق میں رضی اللہ عنہما کی قراءت کا التزام چاہتے ہیں اور غالباً مدیر موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے حکم کو بھی رضی اللہ عنہ بنانے کی سعی فرمائی ہے۔ حکم وہ شخص ہے جو منافقینِ مدینہ سے ساز باز

رکھ کر انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے راز اور خفیہ امور سے آگاہ کرتا تھا۔ محدثین و مورخین کا بیان ہے کہ وہ کبھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نطقِ مبارک کی نقل اتارتے ہوئے ایک مصنوعی انداز میں بولتا تھا، کبھی چلتے ہوئے آنحضورؐ کی خصوصی رفتارِ مبارک کی نقلیں اتارتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں اس کو شمار کیا گیا ہے کہ اس شخص کی گفتار و رفتار میں ایک طرح کا تصنع اور فساد پیدا ہو گیا تھا کیونکہ آنحضورؐ نے فرمایا تھا کُن کذالك۔ بعض اقوال کے مطابق یہ شخص گھروں میں جھانکتا تھا۔ غرض یہ کہ ان حرکات کی بنا پر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بدر کر کے طائف میں قید کر دیا تھا اور کوشش کے باوجود حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں واپس آنے کی اجازت اُسے نہ مل سکی۔ مروان اور اس کے باپ کے متعلق حافظ ابن کثیر البدایہ (جلد ۸ ص ۲۵۹) میں لکھتے ہیں:

وقد کان ابوہ الحکم من اکبر اعداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما اسلم یوم الفتح وقدم الحکم مدینة ثم طردہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف ومات بھا ومروان کان اکبر الاسباب فی حصار عثمان۔

(اور مروان کا باپ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں سے تھا، فتح مکہ کے روز ایمان لایا اور مدینے پہنچا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا اور وہیں وہ فوت ہوا اور مروان حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کا سب سے بڑا سبب تھا)۔

اب اگر ایسا باپ اور بیٹا بھی رضی اللہ عنہما ہیں تو پھر کہہ دیجیے کہ عبداللہ بن ابی بھی رضی اللہ عنہ ہے۔ وہ مرتے دم تک مدینے میں مسلمانوں کے معاشرے میں رہا ہے اور مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کے کفن کے لیے اپنا پیرہن مبارک بھی عطا فرمایا۔ جو لوگ اپنا "ذوق" یہ بتا رہے ہیں کہ حکم اور اس کے بیٹے پر زبانِ طعن دراز نہ کی جائے ان کی نگاہ سے سورۂ احزاب کی وہ آیت تو گزری ہو گی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔

"البلاغ" کے جواب میں محض ضمناً میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ حدیث میں حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت وارد ہے اور یہ اُن چند مقامات میں سے ایک ہے جہاں محمد تقی صاحب عثمانی نے مجھ سے اظہارِ اتفاق

ا؎ شاہ عبدالعزیز محدث کا قول پہلے نقل ہو چکا کہ "مروان کامل عداوت حضرات اہل بیت سے رکھتا تھا"۔

کر لیا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ "بینات" نے اس پر فوراً "البلاغ" کو لقمہ دینا ضروری سمجھا اور مولانا ٹونکی صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب نے مل کر عثمانی صاحب کو کمک پہنچانے اور مروان اور حکم کے مناقب بیان فرمانے کی کوشش کی۔ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے، اس کا اندازہ قارئین خود ہی کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف جناب محمد تقی صاحب نے جو اُلٹی زقند لگائی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ البلاغ کے تازہ جمادی الاولیٰ کے شمارے میں لکھتے ہیں:

"احقر نے ذی الحجہ کے البلاغ میں لکھ دیا تھا کہ ملک صاحب کے دیئے ہوئے حوالے کے مطابق مستدرک ص ۴۸۱ ج ۴ پر مجھے یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ مل گئی جس کی حافظ ذہبیؒ نے بھی توثیق کی ہے۔ اب ربیع الثانی کے بینات میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے میری اس عبارت پر گرفت کر کے حدیث کی مفصّل تحقیق درج فرمائی ہے۔ اب میں مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم کی تحقیق پر مطمئن ہوں اور اس تنبیہ پر ان کا شکر گزار۔ مجھے مدیر بینات کے ان الفاظ سے بھی پورا اتفاق ہے کہ ہمارے بزرگوں کا ذوق یہی ہے کہ مروان کو نہ صحابہ کرام کے مخصوص لقب رضی اللہ عنہ سے جا بجا یاد کرتے ہیں، نہ اس پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔"

اب البلاغ کی یہ تازہ مراجعت کیا اس امر کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے گروہ کی حد تک "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کی روش پر کاربند ہیں۔ صحیح بات سے ہٹنا اور غلط بات پر ڈٹنا ان کے لیے بالکل سہل ہے۔ جسے یہ اپنے حلقے کا آدمی سمجھتے ہیں، وہ اگر نہایت کمزور اور واہی بات کہہ دے تب بھی اسے لبیک کریں گے اور جو ان کی ٹریڈ یونین کا ممبر نہ ہو، اس کے معاملے میں ان کی "فراخدلی" فوراً ان کا ساتھ چھوڑ دیگی۔ البلاغ اور بینات کے ادارۂ تحریر سے میری یہ گذارش ہے کہ جمہور اہلِ سنّت کے مسلک اور "آپ کے اکابر کے ذوق" کی تحقیق کے تقاضے محض ستائشِ باہمی سے پورے نہیں ہو سکتے، نہ علمی بحثوں میں بودا اور غیر محکم استدلال محض اس طرح کی پھبتیوں سے مؤثر اور جاندار ہو سکتا ہے کہ آپ دوسروں کے لیے ——"جلا کٹا رافضی، ذوقِ مودودیت کا وکیل، رافضیت کا جدید ایڈیشن، کارخانۂ رفض کی پیداوار"—— اور اس طرح کے دوسرے عامیانہ اور معیارِ شرافت و ثقاہت سے فروتر الفاظ استعمال کریں۔ اگر آپ انبیائے علیہم السلام کے وارث اور ان کے خُلق کے حامل ہیں، تو آپ کو یہ تنابز بالالقاب اور فقرے بازیاں

زیب نہیں دیتیں، نہ ان کی مدد سے ہوائی اور غیر علمی باتوں کو وزن و قرار نصیب ہو سکتا ہے۔ دلیل سے بات مانیے اور منوائیے، محض طعن و تشنیع اور ہمز و لمز سے کام نکالنے کی سعیِ ناکام نہ فرمائیے۔

اندکے پیشِ تو گفتم و بدل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

آخر میں ایک اور مفتی صاحب کا تازہ بصیرت افروز فتویٰ بھی ہدیۂ قارئین ہے۔ یہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ میں شائع ہوا ہے۔ مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ "کیا مروان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور کیا ان کو خبیث کہنا جائز ہے اور جو امام ایسا کہے اس کے پیچھے اقتداء کرنی جائز ہے؟" مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"مروان کو اسماء الرجال کی کتابوں میں صحابہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کی پیدائش ہوئی ہے بعد از ہجرت۔ ان کے باپ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کی جانب نکال دیا تھا اور یہ بوجہ چھوٹا ہونے کے باپ کے ساتھ ہی رہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہوں نے دیکھا نہیں۔ ان کی روایت صحاح ستہ میں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معتمد خاص تھے۔ ان کو ناشائستہ الفاظ میں ذکر کرنا مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے اور خیر القرون مشہود لہا بالخیر کے متعلق بے باکی۔ فلہٰذا جو اس جسارت کا مرتکب ہے، ایسے شخص کو سمجھانا چاہیے ۔۔۔ اگر امام مذکور اصلاح قبول کرے تو اس کی اقتدا درست ہے، ورنہ مکروہ ہے کیونکہ وہ مبتدع ہے اور مبتدع کی اقتداء فقہاء کرام نے مکروہ لکھی ہے۔"

عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن

اب ان مفتی صاحب نے جو فتویٰ داغا ہے اور حضرت مروان کی شان میں ناشائستہ الفاظ کہنے والوں کو جس طرح مسلکِ اہلِ سُنّت کا مخالف، بے باک، جسارت کا مرتکب، مبتدع اور امامتِ صلوٰۃ کے لیے نااہل قرار دیا ہے، ذرا اس فتوے کی روشنی میں ان سارے اکابر[1] کے اقوالِ مندرجۂ بالا کو دوبارہ دیکھیے

[1] ان اکابر میں سے ایک کا ذکر اسی رسالے کے ص ۱ پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: "شیخ محدث وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ مولانا گنگوہی نے مروان کے لیے وہی لفظ خبیث استعمال کیا ہے جو سائل کے سوال میں مذکور ہے"

مطبُوعات

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنی ضروری ہیں)

الجامع الصحیح لمُسلم بن حجّاج پارۂ اوّل۔ کتاب الایمان (انگریزی ترجمہ) مترجم جناب عبدالحمید صدیقی۔ ناشر: جناب شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار لاہور۔ صفحات ۷۶، ہدیہ دس روپے۔

اسلام کی تعلیمات اور شرعی احکام و ہدایات کے اساسی مآخذ دو ہیں: قرآن مجید اور سنّتِ نبویہ۔ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے، الحمدللہ اس کے تراجم دنیا بھر کی اتنی زبانوں میں ہو چکے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا آسان نہیں، لیکن یہ امر موجبِ تحیر و تاسف ہے کہ احادیثِ صحیحہ کی کسی بنیادی کتاب کا ترجمہ اب تک انگریزی اور غالباً کسی دوسری اجنبی زبان میں کسی مسلمان یا غیر مسلم نے نہیں کیا۔ یہ ایک بہت بڑی کمی تھی جسے مدتہائے دراز سے شدید طور پر محسوس کیا جا رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک مسلمان مترجم و ناشر کو اس کام کا بیڑا اٹھانے اور اس میں سبقت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ کتبِ احادیث میں بخاری و مسلم کو نہایت خصوصی و امتیازی مقام حاصل ہے اور انہیں صحیحین (دو صحیح تصانیف) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حدیث کی یہ دونوں کتابیں پایۂ صحت و رفعت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اگرچہ صحیح بخاری کا درجہ بلند تر ہے، تاہم بعض وجوہ کی بنا پر ایک عام مبتدی کے لیے اس سے استفادہ صحیح مسلم کے مقابلے میں دشوار تر ہے۔ امام مسلم کا طریقہ بالعموم یہ ہے کہ وہ ایک مسئلے یا مضمون سے متعلق بیشتر احادیث اور ان کے پُورے متن کو ایک ہی جگہ جمع کر دیتے ہیں اور صحیح مسلم کے متداول نسخوں میں ابواب کے جو عنوانات تجویز کر دیئے گئے ہیں، وہ اتنے قریب الفہم ہیں کہ ہر شخص ان پر نظر ڈال کر بآسانی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں باب میں کس موضوع کی احادیث ہوں گی۔ اس حُسنِ ترتیب کے پیشِ نظر افادۂ عام کے لیے صحیح مسلم ہی کا انتخاب برائے ترجمہ مناسب تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کو غیر عربی اور پھر انگریزی زبان میں منتقل کرنا ایک نہایت نازک اور کٹھن کام ہے لیکن ترجمے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ عربی مفہوم و الفاظ کو انگریزی کا جامہ پہنایا ہے اور ترجمے کو متن سے قریب تر رکھنے کے باوجود عبارت کی روانی و تاثیر میں تابحدِ امکان خلل واقع نہیں ہونے دیا۔ تشریحی حواشی میں بھی توسط و توازن کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ احادیث کی تشریح و تفسیر میں بالعموم مستند شروحِ حدیث مثلاً شرحِ نووی، فتح الباری، فتح الملہم، عمدۃ القاری، مرقاۃ، السراج الوہاج، فیض الباری وغیرہ پر انحصار کیا گیا ہے۔ فقہی مسائل میں غیر ضروری تفصیل و اطناب سے پرہیز کرتے ہوئے ضروری بحث پر اکتفا کیا گیا ہے اور مذاہبِ فقہیہ کے تقابل میں کسی خاص و متعین مسلک کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ مترجم چونکہ جدید عمرانی افکار و علوم سے بھی کماحقہ بہرہ ور ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کا اصل مخاطب نیا تعلیم یافتہ طبقہ ہے، اس لیے ان مختصر تشریحات میں بھی عصرِ حاضر کے پیدا شدہ سوالات و اشکالات سے تعرض کرتے ہوئے بڑے اعتماد کے ساتھ انہیں حل کرنے اور ان کا جواب دینے کی سعی کی گئی ہے۔ اس ضمن میں بعض مقامات پر جدید مفکرین کی تحقیقات و آراء کا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔ شروع میں دس صفحات کا مقدمہ ہے جس میں حدیث و سنّت کی اہمیت و حجیت، تدوینِ حدیث کی تاریخ اور امام مسلم اور ان کی کتاب الجامع الصحیح کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے اور چند ضروری مصطلحات و اقسامِ حدیث کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

بہرکیف عبدالحمید صدیقی صاحب مبارکباد اور شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے طالبانِ علم کی ایک حقیقی ضرورت کو پورا کیا ہے اور دین کے شائقین سے یہ بجا طور پر توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس کارنامے کی قدر افزائی کریں گے، خود اس سے مستفید ہوں گے اور اسے دوسروں تک دین کی تبلیغ و تعارف کا ذریعہ بنائیں گے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اِس کارِ خیر کی تکمیل کے اسباب فراہم کرے اور مترجم و ناشر کو ہمت و توفیق ارزانی فرمائے کہ انہوں نے جس مشقت آمیز اور طویل المیعاد کام کا آغاز کیا ہے اسے وہ انجام تک پہنچائیں اور ایک وسیع علمی خلا کو پُر کر سکیں۔

کاغذ کی موجودہ نایابی و گرانی کے پیشِ نظر کاغذ اور ٹائٹل وغیرہ گوارا ہے مگر توقع کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں اللہ نے حالات کو سازگار کر دیا تو کاغذ اس سے بہتر استعمال ہو گا۔

(ملک غلام علی)

وجودِ باری پر کائنات کی گواہی | تالیف جناب اظہر جلیل بجنوری صاحب۔ ناشر: ادارۂ تحقیقات و تعلیمات اسلامیہ عافیت کدہ فاروق نگر۔ شالامار ٹاؤن۔ لاہور۔ صفحات ۳۹۲ قیمت قسم اول مجلد ۸ روپے، قسم دوم مجلد ۶ روپے

خدا کا وجود اس قدر واضح حقیقت ہے کہ اس کے لیے کسی گواہی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جو ہستی انسان کے لیے اس کی شاہ رگ سے بھی قریب ہو، اور جس کے وجود کی شہادت اُسے انفس و آفاق میں ہر جگہ اور ہر لمحہ مل رہی ہے اُسے آخر کس طرح جھٹلایا جا سکتا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ جس ذات کا وجود سورج سے زیادہ روشن ہے اُسے دورِ جدید میں عقل کے اندھے جھٹلانے پر مُصر ہیں۔ فاضل مصنف نے یہ کتاب اس قسم کے بے بصیرت لوگوں کے لیے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے وجودِ باری تعالیٰ کے ثبوت میں آفاق کی گواہی پیش کی ہے۔ اُن کا طرزِ استدلال حکیمانہ ہے اور انہوں نے عہدِ حاضر کی سائنسی تحقیقات اور انکشافات سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

کتابت اور طباعت اگر اس سے بہتر ہوتی تو اچھا تھا۔

WESTERN CIVILIZATION CONDEMNED BY ITSELF.

"تہذیب مغرب خود اپنے آپ کو مطعون کرتی ہے" حصہ اول

تالیف: محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ۔ شائع کردہ: محمد یوسف خان، سنت نگر لاہور۔ قیمت ۱۲ روپے۔ صفحات: ۳۴۴۔

مغرب کی مادی تہذیب چونکہ غلط بنیادوں پر استوار ہوئی ہے، اس لیے اس نے انسانیت کے لیے لاتعداد لاینحل مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ اور اب آہستہ آہستہ اس کے علمبردار بلکہ پرستار بھی اس کی خامیوں کو اچھی طرح محسوس کرنے لگے ہیں۔ پروفیسر سارو کن، ٹائن بی، الفرڈ کابن، برٹرینڈ رسل، جوڈ۔ الغرض بےشمار ایسے مفکرین پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اس تہذیب کی کمزوریوں کی نہایت واضح دلائل اور ناقابلِ تردید شواہد کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔ محترمہ مریم جمیلہ نے جو علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، اس سارے مواد کو بڑی عرق ریزی سے جمع کر کے حُسنِ ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ زیرِ تبصرہ پہلی جلد تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مریم جمیلہ صاحبہ نے مغربی تہذیب کے ماخذ بیان کیے ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن مغربی مفکرین کی وہ تحریریں پیش کی ہیں جن سے

مادی تہذیب کا فکری ڈھانچہ تیار ہوا ہے۔ تیسرے حصے میں انہوں نے اس تہذیب کے عملی مضمرات سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اس نے میدانِ عمل میں کس طرح کے پیچیدہ مسائل پیدا کیے ہیں۔

یہ کتاب بڑی فکر انگیز ہے۔ ہم اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔ معیارِ طباعت عمدہ ہے مگر پروف احتیاط سے نہیں پڑھے گئے۔

مشاہد التوحید | تالیف ملک حسن علی جامعی صاحب۔ شائع کردہ: المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ، لاہور قیمت: دس روپے۔ صفحات ۴۵۶۔

توحید کوئی علمِ کلام کا مسئلہ نہیں بلکہ دینِ حق کا جوہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث فرمائے انہوں نے سب سے زیادہ زور اسی بنیادی عقیدے پر دیا ہے۔ اسی عقیدے کے ذریعے انسان کو اپنے خالق و مالک کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے اور انسان اور انسان کے مابین اور انسان اور کائنات کے درمیان صحیح تعلق استوار ہوتا ہے۔ اس عقیدے کی حیثیت انسان کے زاویۂ نگاہ کی سی ہے۔ اگر یہ درست ہو تو زندگی کے سارے معاملات درست ہوتے ہیں لیکن اگر اس میں کجی ہو تو زندگی کے سارے معاملات میں زبردست بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب مشاہد التوحید اسلام کے اسی بنیادی عقیدہ کی وضاحت اور اُس کی صحت اور درستی کے لیے لکھی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے سب سے پہلے اس عقیدہ کے مضمرات اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور آخر میں اس چشمۂ صافی کے اندر جو آلائشیں شامل ہو گئی ہیں اُن کی نشاندہی کی گئی ہے۔

کتاب بڑی معلومات افزا اور قابلِ قدر ہے۔ معیارِ طباعت و کتابت گوارا ہے۔

ہمارے نصابِ تعلیم میں اسلامیات | تالیف جناب سید ظفر الدین احمد پرنسپل وی۔ ایم پبلک سکولز کراچی۔ بزبان انگریزی | صفحات ۴۸۔ قیمت درج نہیں۔

زیرِ نظر کتابچے میں جدید طرز کے مدارس میں مروجہ نصابِ تعلیم کے اندر اسلامیات کے مرتبہ و مقام کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتابچہ مختصر مگر بڑا فکر انگیز ہے اور فاضل مصنف کے طویل تدریسی تجربے کی شہادت فراہم کرتا ہے۔

بقیہ اشارات

علاقائی جماعتوں پر پابندی لگانے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ وہ دونوں جماعتیں جنہیں موجودہ انتخابات میں اکثریت حاصل ہونے کی بنا پر ملک کی زمامِ کار سنبھالنا ہے وہ دونوں علاقائی جماعتیں ہیں۔ اور اسی بنا پر ان کی ترقی سے علاقائی تعصبات کو پہلے بھی فروغ حاصل ہوا ہے اور مستقبل میں بھی ان سے کسی ملک گیر اتحاد کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ موجودہ حالات میں اگر ان جماعتوں کو اقتدار تفویض کر دیا جائے تو کیا اس سے قومی اتحاد کی راہیں ہموار رہیں گی یا انتشار و افتراق کا زور بڑھے گا۔ یہ سارے پہلو بڑے غور و فکر کے محتاج ہیں۔

(بقیہ:۔ مروان اور اس کے باپ کا مقام)

اور پھر غور کیجیے کہ یہ لوگ کس ضد اور تناقض میں مبتلا ہیں۔ اس فتوے کی زبان یہ بتا رہی ہے کہ اس کا روئے سخن ایسے شخص کی طرف ہے جسے مودودی کا ہم خیال فرض کر لیا گیا ہے، اور اسی مفروضے کا یہ نتیجہ ہے کہ:

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ...... وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ضروری نوٹ مضمون لکھ چکنے کے بعد نظرِ ثانی کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ اس میں ایک مقام پر تسامح ہو گیا ہے مستدرک والی حدیث کا راوی احمد بن محمد الرشدینی ہے اور ترمذی کی حدیث کا راوی رشدین بن سعد ہے۔ یہ غالباً ایک گھرانے کے دو الگ الگ افراد ہیں لیکن رشدین کے لفظ سے التباس ہو جاتا ہے۔ بہر کیف یہ بات میری بحث سے واضح ہے کہ اس مضمون کی احادیث متعدد ہیں اور کسی ایک راوی پر ان کا انحصار نہیں۔

خالی صفحه

زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اسلامی احکام و تعلیمات معلوم کرنے کے لیے

معیاری کتب

		سستا	اعلیٰ
۱۔ مرتد کی سزا	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱-۲۵ روپیہ	روپیہ
۲۔ قادیانی مسئلہ	″	″ ۱-۲۵	
۳۔ مسئلہ جبر و قدر	″	″ ۱-۶۰	″ ۲-۲۵
۴۔ رسائل و مسائل حصہ اول	″	″ ۴-۵۰	″ ۸-۰۰
۵۔ ″ ″ ″ حصہ دوم	″	″ ۵-۷۵	″ ۸-۵۰
۶۔ ″ ″ ″ حصہ سوم	″	″ ۴-۵۰	″ ۸-۰۰
۷۔ ″ ″ ″ حصہ چہارم	″	″ ۳-۷۵	۶-۷۵
۸۔ تعلیمات	″		″ ۳-۲۵
۹۔ مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ حصہ اول	مفتی محمد یوسف	″ ۴-۰۰	۹-۰۰
۱۰۔ ″ ″ ″ ″ ″ حصہ دوم	″	″ ۳-۵۰	۹-۰۰
۱۱۔ اُردو ادب اور اسلام حصہ اول	پروفیسر ہارون الرشید	″ ۵-۰۰	۷-۵۰
۱۲۔ ″ ″ ″ حصہ دوم	″	″ ۳-۷۵	″ ۶-۵۰
۱۳۔ سفرنامہ ارض القرآن	محمد عاصم	″ ۶-۰۰	″ ۸-۵۰
۱۴۔ مکتوبات حضرت علیؓ	حکیم نبی احمد رامپوری	″ ۳-۷۵	
۱۵۔ صحیح سمت قبلہ	علی محمد نقاش		″ ۲-۷۵
۱۶۔ فن تعلیم و تربیت	افضل حسین ایم۔ اے بی۔ ٹی	″ ۶-۷۵	″ ۱۱-۷۵
۱۷۔ اقبال کا فلسفۂ خودی	پروفیسر فروغ احمد	″ ۱-۰۰	″ ۱-۵۰

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳۔ ای، شاہ عالم مارکیٹ لاہور (مغربی پاکستان) فون ۶۸۳۴۱

شاخ: ۱۶۔ بیت المکرم (پہلی منزل) ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) فون ۲۸۳۸۷